ماہنامہ

اشراق

لاہور

فروری ۲۰۲۳ء

زیرسرپرستی

جاوید احمد غامدی

”جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی احسان نہیں کرتے، بلکہ خدا اور اُس کے فرشتوں کی ہم نوائی کر کے وہ اپنے کو سزاوار رحمت بناتے ہیں۔ جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے، جب آپ کو اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعائیں حاصل ہیں تو وہ دوسروں کی دعاؤں کے محتاج نہیں ہیں۔“

—— قرآنیات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website) please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد
ادارہ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگیِ قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ماہنامہ
اشراق
لاہور

جلد ۳۵ شمارہ ۲ فروری ۲۰۲۳ء رجب المرجب ۱۴۴۴ھ

زیر سرپرستی
جاوید احمد غامدی

مدیر
سید منظور الحسن

فی شمارہ 50 روپے
سالانہ 500 روپے
رجسٹرڈ 1000 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر)

بیرون ملک
سالانہ 50 ڈالر

فہرست

شذرات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سرگذشتِ رسالت (۱) — سید منظور الحسن — ۴

قرآنیات

البیان: الاحزاب ۳۳: ۵۳- ۶۲ (۶) — جاوید احمد غامدی — ۱۳

معارف نبوی

علامات قیامت (۳) — جاوید احمد غامدی / ڈاکٹر محمد عامر گزدر — ۲۰

مقالات

”میزان“: توضیحی مطالعہ: قانون سیاست (۵) — محمد عمار خان ناصر — ۴۰

نقطۂ نظر

خاندانی منصوبہ بندی اور خدا کی رزاقیت: چند غلط فہمیوں کا ازالہ — ڈاکٹر عرفان شہزاد — ۴۶

سیر و سوانح

مہاجرین حبشہ (۱۶) — محمد وسیم اختر مفتی — ۵۱

اصلاح و دعوت

تصور امت یا تصور مسلک — محمد ذکوان ندوی — ۶۰

اخلاقی پیمانے — خورشید احمد ندیم — ۶۳

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

سید منظور الحسن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سرگذشتِ رسالت

(۱)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اُن انبیا میں سے تھے، جنھیں اللہ نے منصبِ رسالت پر سرفراز کیا تھا۔ وہ بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر تھے اور اُن پر اتمام حجت کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ قرآن میں بیان ہوا ہے کہ فرشتوں نے آپ کی ولادت کے ساتھ آپ کی رسالت کی بشارت بھی آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ مریم علیہا السلام تک پہنچا دی تھی۔ آل عمران میں مذکور ہے:

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنۡهُ اسۡمُهُ الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ وَجِيۡهًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ. ۙ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ. قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ وَلَدٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِىۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ. وَيُعَلِّمُهُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَالتَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ. وَرَسُوۡلًا

”اِنھیں یاد دلاؤ، جب فرشتوں نے کہا: اے مریم، اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے۔ اُس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہو گا۔ وہ دنیا اور آخرت، دونوں میں صاحب وجاہت اور مقربین میں سے ہو گا۔ لوگوں سے گہوارے میں بھی (اپنی نبوت کا) کلام کرے گا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی اور صالحین میں شمار کیا جائے گا۔ وہ بولی: پروردگار، میرے ہاں بچہ کہاں سے ہو گا، مجھے تو کسی مرد نے چھوا تک نہیں۔ فرمایا: اِسی طرح اللہ جو چاہے، پیدا کرتا ہے۔ وہ جب کسی معاملے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو

اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ. (۳: ۴۵-۴۹)

اُس کو اتنا ہی کہتا ہے کہ ہو جا، پھر وہ ہو جاتا ہے۔ (لہٰذا اِسی طرح ہو گا) اور اللہ اُسے قانون اور حکمت سکھائے گا، یعنی تورات و انجیل کی تعلیم دے گا۔ اور اُس کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔''

اِس مقام پر مسیح علیہ السلام کے منصب رسالت کے لیے 'رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ' کے الفاظ آئے ہیں۔ امام امین احسن اصلاحی اِن کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''رَسُوْلًا' سے پہلے ایک فعل محذوف ہے۔ یعنی 'یَبْعَثُهٗ رَسُوْلًا'۔ سیدنا مسیح حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح صرف ایک نبی نہیں تھے، بلکہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اُس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے، اُسی طرح یہ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ رسول اور نبی میں فرق ہوتا ہے۔ رسول جس قوم کی طرف بھیجا جاتا ہے، اُس کے لیے خدا کی عدالت بن کر آتا ہے۔ اِس کے لازمی نتیجے کے طور پر اُس قوم کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ایمان لاتی ہے تو نجات پاتی ہے اور اگر اپنے کفر پر اڑی رہ جاتی ہے اور اپنے نبی کو گزند پہنچانے کی کوشش کرتی ہے تو فنا کر دی جاتی ہے۔ اِس حقیقت کی طرف حضرت یحییٰ علیہ اسلام نے مختلف اسلوبوں سے اشارہ فرمایا تھا۔ مثلاً یہ کہ 'میں تو تمھیں پانی سے بپتسمہ دے رہا ہوں، پر جو آرہا ہے، وہ تمھیں آگ سے بپتسمہ دے گا'، یا یہ کہ 'اب درختوں کی جڑوں پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے'؛ یا یہ کہ اُس کے ہاتھ میں اُس کا چھاج ہو گا اور وہ اپنے کھلیان کو اچھی طرح پھٹکے گا اور گندم کو بھس سے علیحدہ کرے گا...۔

اِس سے حضرت عیسیٰ کی رسالت کا بنی اسرائیل کے لیے خاص ہونا بھی واضح ہو گیا۔ سیدنا مسیح علیہ السلام کا خود اپنا اعلان بھی یہی ہے۔ اُنھوں نے جب اپنے حواریوں کو تبلیغ دین کی مہم پر روانہ کیا تو اُن کو غیر بنی اسرائیل کی طرف جانے سے نہایت صاف لفظوں میں روک دیا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ 'میں صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں ہی کی تلاش کے لیے آیا ہوں'۔ ایک غیر اسرائیلی عورت اُن سے دعاے شفا کی طالب ہوئی تو اُنھوں نے اُسے جواب میں یہی کہا کہ 'بچوں کے حصے کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا ٹھیک نہیں۔' انجیل میں ضیافت والی جو تمثیل ہے، اُس میں بھی اِسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ آپ کی دعوت جن معروفات پر مبنی تھی، یہ معروفات بنی اسرائیل کے لیے دلیل و حجت بن سکتے تھے، لیکن دوسری قوموں کے لیے اِن کا سمجھنا ممکن نہیں تھا۔ اِس وجہ سے یہ دعوت اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے دوسری قوموں کے لیے بالکل ناموزوں

تھی۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ دوسری قوموں نے، جن کے سامنے یہ دعوت پیش کی گئی،اِس کو بالکل نہیں سمجھا۔ اُنھوں نے انجیلوں سے بس یہ سمجھا کہ حضرت عیسیٰ نے بے شمار معجزے دکھائے ہیں۔‘‘(تدبر قرآن ۲/ ۹۵)

حضرت مسیح کی وجاہت آپ کی رسالت کا خاص جز تھی۔ مذکورہ آیات میں اِس کے لیے ’وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ‘ کے الفاظ آئے ہیں، یعنی آپ دنیا اور آخرت، دونوں میں صاحبِ وجاہت ہوں گے۔ اِس وجاہت کی کیا نوعیت تھی، اِسے امام امین احسن اصلاحی نے لوقا کی انجیل کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

’’...لوقا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ سال کی عمر میں حضرت مسیح نے پہلی بار ہیکل میں تعلیم دی، لیکن اِس کم سنی کے باوجود اُن کی تعلیم کی حکمت و معرفت، کلام کی بلاغت و جزالت اور لب و لہجہ کی عظمت و جلالت کا عالم یہ تھا کہ فقیہ اور فریسی، سردار و کاہن اور ہیکل کا تمام عملہ دم بخود رہ گیا۔ وہ حیرانی کے عالم میں ایک ایک سے پوچھتے پھرتے تھے کہ یہ کون ہے جو اِس شکوہ سے بات کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے اِس کو اختیار ملا ہوا ہے۔ یہودیہ کی بستیوں میں جب اُنھوں نے تبلیغ شروع کی تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلچل مچ گئی۔ خلقت اُن پر ٹوٹی پڑتی تھی۔ فقیہ اور فریسی سب پر ایک سراسیمگی کا عالم تھا، وہ اُن کو زچ کرنے اور عوام میں اُن کی مقبولیت کم کرنے کے لیے اُن سے طرح طرح کے سوالات کرتے، لیکن سیدنا مسیح دو دو لفظوں میں اُن کو ایسے دنداں شکن جواب دیتے کہ پھر اُن کو زبان کھولنے کی جرأت نہ ہوتی۔ تھوڑے ہی دنوں میں اُن کی وجاہت کا یہ غلغلہ ہوا کہ عوام اُن کو اسرائیل کا بادشاہ کہنے اور اُن کی بادشاہی کے گیت گانے لگے، یہاں تک کہ رومی حکام —— ہیرودیس اور پیلاطوس —— کے سامنے بھی یہ مسئلہ ایک نہایت اہم مسئلہ کی حیثیت سے آ گیا، لیکن وہ بھی اپنی تمام قوت و جبروت کے باوجود سیدنا مسیح کی عظمت و صداقت اور اُن کی بے پناہ مقبولیت سے مرعوب ہو گئے۔

اِس وجاہت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ باوجودیکہ سیدنا مسیح بن باپ کے پیدا ہوئے اور بن باپ کے پیدا ہونے والے کسی بچے کے لیے عام حالات میں کسی عزت و وجاہت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، لیکن سیدنا مسیح چونکہ اللہ تعالیٰ کے کلمۂ ’کُنْ‘ سے پیدا ہوئے تھے، اِس وجہ سے اِس کا معجزانہ اثر یہ ظاہر ہوا کہ روزِ اول سے اُن کو خلق کی نگاہوں میں وہ وجاہت حاصل رہی جو اُس عہد میں کسی کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ زندگی بھر اپنے جانی دشمنوں میں گھرے رہے، لیکن اِس پہلو سے کسی کو اُن پر طعن کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ یہود کے ایک گروہ نے اگر جسارت بھی کی تو بعد کے زمانوں میں کی، اُن کے عہدِ مبارک میں کسی کو بھی اِس قسم کی جرأت نہ

ہو سکی۔ اُن کی اِس وجاہت کی بشارت اُن کی ولادت کی بشارت کے ساتھ ہی حضرت مریم کو اِس لیے دی گئی کہ اُن کو اِس پہلو سے کوئی خلجان نہ ہو کہ بن باپ کے پیدا ہونے کے سبب سے بچے کی یا خود اُن کی وجاہت پر کوئی اثر پڑے گا۔

اِس کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اِس سے اُن تمام خرافات کی تردید ہو رہی ہے، جو انجیلوں میں مذکور ہیں کہ یہودیوں نے سیدنا مسیح کے نعوذ باللہ طمانچے لگائے، اُن کا مذاق اڑایا، اُن کو گالیاں دیں، اُن کے منہ پر تھوکا۔ اِن خرافات کا اکثر حصہ، جیسا کہ ہم آگے واضح کریں گے، غلط ہے۔ اللہ کے رسولوں کے دشمن اُن کی توہین و تحقیر کی جسارت تو کرتے ہیں اور اِس سلسلے میں ایک حد تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو ڈھیل بھی مل جاتی ہے، لیکن یہ ڈھیل بس ایک خاص حد تک ہی ہوتی ہے، جب کوئی قوم اِس حد سے آگے بڑھنے کی جسارت کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے اور اُس ناہنجار قوم کا بیڑا غرق کر دیا جاتا ہے۔“

(تدبر قرآن ۲/ ۹۲-۹۳)

بہ طورِ رسول آپ کی دعوت

اللہ کے رسول کی حیثیت سے حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت کے بنیادی نکات یہ تھے:

۱۔ تورات کی تصدیق،

۲۔ بعض حرمتوں کی تحلیل،

۳۔ اختلافات کی توضیح،

۴۔ آیندہ آنے والے نبی آخر الزماں کی بشارت۔

قرآن مجید کے مختلف مقامات سے اِنھی کی وضاحت ہوتی ہے۔

سورۂ آل عمران میں آیا ہے کہ آپ کی بعثت کا مقصد تورات کے قوانین کی تائید اور اُس کی پیشین گوئیوں کی تصدیق کرنا تھا۔ اِسی ضمن میں آپ کا کام اُن چیزوں کو لوگوں کے لیے حلال کرنا تھا، جو اللہ کی شریعت میں تو حلال تھیں، مگر علماے بنی اسرائیل نے اُنھیں اپنی جانب سے حرام قرار دے رکھا تھا:

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ	”اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا بن کر آیا
وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ	ہوں جو مجھ سے پہلے آ چکی ہے اور اِس لیے آیا ہوں
وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ قف فَاتَّقُوا	کہ تمھارے لیے بعض اُن چیزوں کو حلال ٹھیراؤں

اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ. اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيۡ وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ. (۳:۵۰-۵۱)

جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں، اور (دیکھو) میں تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ سو اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ یقیناً اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی، لہٰذا تم اُسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔''

سورۂ صف میں بیان ہوا ہے کہ آپ کے فرائضِ منصبی میں یہ فریضہ بھی شامل تھا کہ آپ اپنے بعد میں آنے والے رسول کی بشارت دیں۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی تصریح کے ساتھ اِس خوش خبری کا اعلان کیا تھا:[1]

وَاِذۡ قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ يٰبَنِيۡۤ

''اُن کی یہ ٹیڑھ اِسی طرح قائم رہی۔ یاد کرو،

www.al-mawrid.org
www.javedahmedghamidi.com

۱۔ استاذِ گرامی نے اِس آیت کے تحت ''البیان'' میں لکھا ہے:

''یعنی تورات کو اپنی نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر پیش کرنے کے بعد اُنھوں نے اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دی۔ یہ بشارت اگرچہ اکثر انبیا نے دی ہے، لیکن آں جناب کی بشارت بعض پہلوؤں سے بالکل مختلف ہے:

ایک یہ کہ اِس بشارت کو اُنھوں نے اپنی بعثت کا خاص مقصد بتایا ہے، یہ اُن کا کوئی ضمنی کام نہیں تھا۔ چنانچہ اُن پر جو صحیفہ نازل ہوا، اُس کا نام ہی انجیل ہے جس کے معنی یونانی میں بشارت کے ہیں۔ اِس نام سے موسوم ہونے کی کوئی وجہ اگر سمجھ میں آتی ہے تو وہ یہی ہے کہ اُن کا امتیازی وصف اور خاص مشن یہی تھا کہ اپنے بعد آنے والے آخری رسول کی بشارت دیں۔ آسمانی بادشاہت سے وہ اِسی رسول کے عہد مبارک کو تعبیر کرتے اور اپنی تمثیلات میں اُس کے ظہور اور ارتقا کی پوری تصویر کھینچ دیتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ 'يَاۡتِيۡ مِنۡۢ بَعۡدِي' کے الفاظ سے اُنھوں نے اِس رسول کے ظہور کا زمانہ بھی پوری قطعیت کے ساتھ متعین کر دیا ہے۔ چنانچہ کوئی انصاف پسند شخص اِس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ سیدنا مسیح علیہ السلام کے بعد تنہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شخصیت ہے جس پر وہ تمام صفات اور تمثیلات پوری طرح منطبق ہوتی ہیں جو آں جناب نے بیان فرمائی ہیں۔

تیسرا یہ کہ اُنھوں نے یہ بشارت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کی صراحت کے ساتھ دی ہے۔ اِس کے شواہد انجیلوں میں جگہ جگہ دیکھ لیے جا سکتے ہیں۔'' (۵/۱۹۳-۱۹۴)

اِسۡرَآءِيۡلَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوۡلٍ يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ‌ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ.(۶۱:۶)

جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل، میں تمھاری طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تورات کی اُن پیشین گوئیوں کا مصداق ہوں جو مجھ سے پہلے موجود ہیں، اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہو گا۔ مگر اُن کے پاس جب وہ کھلی کھلی نشانیاں لے کر آ گیا تو اُنھوں نے کہا: یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔‘‘

سورۂ زخرف میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی رسالت کے مقاصد میں ایک مقصد بنی اسرائیل کے مذہبی اختلافات کو رفع کرنا بھی تھا۔ یہ اختلافات اُن کی ظاہر پرستی کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے:[۲]

وَلَمَّا جَآءَ عِيۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ قَالَ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِالۡحِكۡمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَـكُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ‌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ.(۴۳:۶۳)

’’اور (یاد رکھو کہ) جب عیسیٰ کھلی نشانیوں کے ساتھ آیا تھا تو اُس نے یہ دعوت دی تھی کہ (لوگو)، میں تمھارے پاس حکمت لے کر آ گیا ہوں، اِس لیے کہ تم کو دین کی حقیقت سمجھا دوں اور اِس لیے کہ میں تم پر بعض اُن باتوں کی حقیقت کھول دوں

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۲۔ اِن اختلافات کی نوعیت امام امین احسن اصلاحی نے ’’تدبر قرآن‘‘ میں اِن الفاظ میں بیان کی ہے:

’’... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی نئی شریعت کے داعی نہیں تھے، بلکہ وہ تورات ہی کے مصدق تھے۔ البتہ اُنھوں نے حکمت، یعنی روح دین اور مغز دین سے بنی اسرائیل کو آشنا کرنا چاہا، لیکن اُنھوں نے اِس کی کوئی قدر نہیں کی۔ بلکہ اپنی اُسی ظاہر پرستی میں مبتلا رہے، جس میں مبتلا تھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اصل دین تو اُن کے اندر سے غائب ہو گیا، البتہ کچھ رسوم رہ گئے جن کو ادا کر کے وہ مطمئن ہو جاتے کہ اللہ اور اُس کے دین کے تمام حقوق سے وہ سبکدوش ہو گئے۔

اگر دین کی حکمت غائب ہو جائے، صرف رسوم اور الفاظ باقی رہ جائیں تو اُس کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ دین کے اندر طرح طرح کے اختلافات اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، جن کو دور کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہود بھی حکمت دین سے محروم ہو جانے کے بعد اِسی فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تعلیم حکمت کے ذریعہ سے اُن کے اِن مذہبی اختلافات کو دور کرنا چاہا، لیکن یہود نے اِس حکمت کی قدر نہیں کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کے اختلافات برابر بڑھتے ہی رہے، یہاں تک کہ وہ اپنے اُس انجام کو پہنچ گئے، جو اُن کی اِن ناقدریوں کا لازمی نتیجہ تھا۔‘‘ (۷/ ۲۴۵-۲۴۶)

جن میں تم اختلاف کر رہے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور
میری بات مانو۔"

معجزات و خوارق سے رسالت کی تائید

حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان معجزات اور خوارق سے لیس کر کے بھیجا تھا۔ وہ اللہ کی مجسم آیت تھے۔ اُن کی پیدایش بھی خارقِ عادت تھی اور اُن کا گھوارے میں کلام کرنا بھی اللہ کی عظیم نشانی تھی۔ پھر جب اُنھوں دعوت کا سلسلہ شروع کیا تو اللہ نے اپنی بینات کو بھی اُس کے ساتھ شامل کر دیا۔ مزید برآں، باقی رسولوں کی طرح آپ کے لیے بھی روح القدس، یعنی حضرت جبریل علیہ السلام کی مدد کا بندوبست فرمایا۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ.(۲:۸۷)

"اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی کھلی نشانیاں دیں اور روح القدس سے اُس کی تائید کی۔"

اِس کے باوجود بنی اسرائیل نے آپ کی رسالت کو ماننے سے انکار کیا۔ معجزات کو اُنھوں نے معاذ اللہ شیاطین اور بھوتوں کے سردار کی کار فرمائی قرار دیا۔ امام امین احسن اصلاحی سورۂ بقرہ کی اِسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"...'بَيِّنٰت' سے مراد وہ معجزات ہیں، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے اور جو اِس قدر واضح تھے کہ اُن کے خدا کی طرف سے ہونے میں کوئی ہٹ دھرم ہی شک کر سکتا تھا۔ لیکن یہود نے اِن کھلے کھلے معجزات کو بھی تائید ربانی اور فیض روح القدس کا نتیجہ قرار دینے کے بجاے نعوذ باللہ شیطانی تصرف کا نتیجہ قرار دیا۔ اُن کا کہنا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ معجزے شیطانوں اور بھوتوں کے سردار بعلزبول کی مدد سے دکھاتے تھے۔ قرآنِ مجید نے یہود کے اِسی الزام کی تردید کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بار بار یہ فرمایا ہے کہ 'اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ' (ہم نے روح القدس سے اس کی مدد کی)۔ یعنی اُس سے جو معجزے صادر ہوئے، یہ تائید روح القدس کا نتیجہ ہیں، نہ کہ کسی شیطان یا جن کی مدد کا، جیسا کہ یہود سمجھتے ہیں۔"

(تدبر قرآن ۱/۲۶۸)

آل عمران میں اِن معجزات کی تفصیل کی گئی ہے۔ اِس کے مطابق وہ لوگوں کو بتا دیتے تھے کہ وہ کیا کھا کر آئے ہیں، وہ یہ بھی جان لیتے کہ لوگوں نے اپنے گھروں میں کیا کچھ جمع کر رکھا ہے، وہ مٹی کا پرندہ بنا کر اُس میں پھونک مارتے تو وہ حقیقی پرندہ بن جاتا تھا، وہ پیدایشی اندھے کو بینا کر دیتے، کوڑھ کے مرض میں مبتلا مریض اُن

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کے پاس آکر شفایاب ہو جاتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مردہ انسانوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ اِن تمام معجزات کا ظہور، ظاہر ہے کہ اللہ کے اذن سے ہوتا تھا۔ چنانچہ اللہ نے باذن اللہ کے الفاظ کا مکرر ذکر فرمایا ہے تاکہ اِس معاملے میں ادنیٰ درجے میں بھی کوئی شبہ پیدا نہ ہونے پائے۔ ارشاد ہے:

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۵ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (۳:۴۹)

”اور اُس کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔ (چنانچہ یہی ہوا اور اُس نے بنی اسرائیل کو دعوت دی کہ) میں تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمھارے لیے مٹی سے پرندے کی ایک صورت بناتا ہوں، پھر میں اُس میں پھونکتا ہوں تو اللہ کے حکم سے وہ فی الواقع پرندہ بن جاتی ہے؛ اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں؛ اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں؛ اور میں تمھیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔ اِس میں تمھارے لیے یقیناً ایک بڑی نشانی ہے، اگر تم ماننے والے ہو۔“

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

انجیل کا نزول

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام پر اپنی کتاب بھی نازل فرمائی۔ یہ انجیل تھی، جو اللہ کی حکمت کا خزانہ تھی۔ اِس میں رأفت و رحمت تھی اور بنی اسرائیل کے لیے ہدایت اور روشنی تھی۔ اِس نے تورات کو منسوخ نہیں کیا، بلکہ یہ اُس کی مصدق ثابت ہوئی۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ. (۵:۴۶)

”اور ہم نے اُس کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور وہ بھی تورات کی تصدیق کرنے والی تھی جو اُس سے پہلے موجود تھی، خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت کے طور پر۔“

انجیل اپنے بنیادی مقصد کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت تھی۔ استاذِ گرامی نے اِس کے بارے میں لکھا ہے:

”یہ مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اُن کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد آخری نبوت کی بشارت تھی۔ انجیل کے معنی بشارت کے ہیں اور یہ نام اِسی رعایت سے رکھا گیا ہے۔ الہامی کتابوں کے عام طریقے کے مطابق یہ بھی دعوت وانذار کی ضرورتوں کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہی۔“ (میزان ۱۵۷)

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الاحزاب

(۶)

(گذشتہ سے پیوستہ)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡذَنَ لَکُمۡ اِلٰی طَعَامٍ غَیۡرَ نٰظِرِیۡنَ اِنٰىهُ وَلٰکِنۡ اِذَا دُعِیۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡا فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا وَلَا مُسۡتَاۡنِسِیۡنَ لِحَدِیۡثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِکُمۡ کَانَ یُؤۡذِی النَّبِیَّ فَیَسۡتَحۡیٖ مِنۡکُمۡ ۫ وَاللّٰهُ

(یہ منافقین اپنی شرارتوں سے باز نہیں آرہے، اِس لیے) ایمان والو،[113] تم اب نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو، الاّ یہ کہ تم کو کسی کھانے پر آنے کی اجازت دی جائے، جب بھی اِس طرح کہ اُس کی تیاری کے منتظر نہ رہو۔ ہاں جب تم کو بلایا جائے تو (وقت کے وقت) داخل ہو، پھر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں لگے ہوئے بیٹھے نہ رہو۔[114] اِس سے پیغمبر کو اذیت ہوتی ہے، مگر وہ

۱۱۳۔ یہ خطاب اگرچہ عام ہے، لیکن اِس کے پس پردہ وہی منافقین ہیں جن کا ذکر سورہ کی ابتدا سے ہو رہا ہے۔ تدریجی انکشاف کے اصول پر یہ چیز آگے کی آیتوں سے واضح ہو جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو اُن کی شرارتوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں چند مزید ہدایات دی ہیں۔

۱۱۴۔ یہ پہلی ہدایت ہے کہ اب کوئی مسلمان بغیر اجازت اور بن بلائے حضور کے گھروں میں داخل نہیں ہو

لَا یَسۡتَحۡیٖ مِنَ الۡحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا فَسۡـَٔلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِکُمۡ اَطۡهَرُ لِقُلُوۡبِکُمۡ وَقُلُوۡبِهِنَّ ؕ وَمَا کَانَ لَکُمۡ اَنۡ تُؤۡذُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰهِ

تمھارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ حق بات کہنے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔[115] اور تمھیں جب نبی کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔[116] یہ تمھارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور اُن کے دلوں کے لیے بھی۔[117] تمھارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول

سکے گا۔ لوگوں کو کھانے کی دعوت بھی دی جائے گی تو وہ وقت کے وقت آئیں گے اور کھانا کھانے کے بعد منتشر ہو جائیں گے۔ کھانے کی تیاری کے انتظار میں وہ نہ پہلے جا کر بیٹھ جائیں گے اور نہ کھانے کے بعد بغیر کسی وجہ کے باتوں میں لگے ہوئے وہاں بیٹھے رہیں گے۔ یہ اِس لیے بھی ضروری تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے ساتھ کوئی مردانہ بیٹھک نہیں تھی۔ لوگ خواتین کے قریب ہی صحن میں کہیں جا کر بیٹھ جاتے تھے اور منافقین اِس سے فائدہ اٹھا کر اپنی کوششوں میں لگ جاتے تھے کہ اُن کو ازواج مطہرات کے اندر کوئی موقع وسوسہ اندازی اور ریشہ دوانی کا ہاتھ آئے۔

۱۱۵۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی کم زوری کا ذکر نہیں ہے، بلکہ آپ کی ایک پسندیدہ خصلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آپ نہایت کریم النفس اور ذی مروت ہیں۔

۱۱۶۔ یہ دوسری ہدایت ہے کہ ازواج مطہرات اب پردے میں رہیں گی اور تم میں سے کوئی اُن کے سامنے نہ آئے گا۔ جس کو کوئی چیز لینا ہو گی، وہ بھی پردے کے پیچھے ہی سے لے گا، دندناتا ہوا اُن کے سامنے نہیں چلا جائے گا۔

۱۱۷۔ یہ ایک دفع دخل مقدر ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ”... مطلب یہ ہے کہ بظاہر یہ بات ایک غیر ضروری تکلف محسوس ہوتی ہے کہ کسی کو اُن سے ایک گلاس پانی مانگنے کی بھی ضرورت پیش آئے تو اُس کے لیے بھی پردے کا اہتمام کرے، لیکن یہ کوئی تکلف نہیں ہے، بلکہ دل کو آفات سے محفوظ رکھنے کی ایک نہایت ضروری تدبیر ہے۔ انسان کا دل جس نے بنایا ہے، وہ اُس کی کم زوریوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کن کن مخفی راستوں سے یہ دل برے اثرات قبول کرتا ہے اور دل ہی وہ چیز ہے جس پر انسان کی تمام اخلاقی صحت کا انحصار ہے۔ اِس وجہ سے ضروری ہے کہ جن کو اپنے دل کی صحت مطلوب ہو، وہ اُس کو اُن تمام چیزوں سے محفوظ رکھیں جو اُس کو غبار آلود کر سکتی ہیں۔“
>
> (تدبر قرآن ۶/ ۲۶۴)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴿۵۳﴾ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۵۴﴾

کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ اُس کے بعد تم اُس کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ بڑی سنگین بات ہے۔ تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا اُس کو چھپاؤ، اللہ کے لیے برابر ہے، اِس لیے کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔[۱۱۸] ۵۳-۵۴

۱۱۸۔ یہ تیسری ہدایت ہے کہ پیغمبر کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں، جو منافقین اُن سے نکاح کے ارمان اپنے دلوں میں رکھتے ہیں، اُن پر واضح ہو جانا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ازواج مطہرات سے کسی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ اُن کی یہ حرمت ہمیشہ کے لیے قائم کر دی گئی ہے۔ لہٰذا ہر صاحب ایمان کے دل میں احترام و عقیدت کا وہی جذبہ اُن کے لیے ہونا چاہیے جو وہ اپنی ماں کے لیے اپنے دل میں رکھتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لوگوں کی یہ باتیں باعث اذیت رہی ہیں۔ اب وہ متنبہ ہو جائیں کہ اللہ کے رسول کو اذیت پہنچانا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ بڑی ہی سنگین بات ہے۔ یہاں تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنی کسی نازیبا سے نازیبا حرکت کے لیے بھی کوئی عذر تراش لے، لیکن وہ پروردگار جو دلوں کے بھید تک سے واقف ہے، یہ باتیں اُس کے حضور میں کسی کے کام نہ آسکیں گی۔

اوپر کی آیتوں میں حضور کا ذکر بار بار 'نَبِیّ' کے لفظ سے ہوا ہے، لیکن یہاں 'رَسُوْلَ اللّٰهِ' کا لفظ ہے۔ اِس سے اِس تنبیہ کی شدت کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تمھارا معاملہ خدا کے رسول سے ہے اور رسول اپنی قوم کے لیے خدا کی عدالت بن کر آتا ہے، وہ محض وعظ سنانے کے لیے نہیں آتا۔ چنانچہ متنبہ ہو جاؤ، تمھیں اندازہ نہیں ہے کہ تم اپنے لیے کس انجام کو دعوت دے رہے ہو۔

اِس میں، اگر غور کیجیے تو اُن لوگوں کے چہرے سے اللہ تعالیٰ نے نقاب اٹھا دی ہے، جن کو پیش نظر رکھ کر یہ ہدایات دی جا رہی ہیں۔ اِس لیے کہ یہ منافقین ہی تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت کے درپے رہتے اور اپنے دلوں میں یہ ارمان رکھتے تھے کہ آپ کی ازواج سے نکاح کریں تاکہ اللہ و رسول کے خلاف فتنہ انگیزی کا کوئی ذریعہ میسر ہو سکے، کسی سچے مسلمان سے اِس طرح کی کوئی چیز متصور نہیں ہو سکتی تھی۔

لَا جُنَاحَ عَلَیۡهِنَّ فِیۡۤ اٰبَآئِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآئِهِنَّ وَلَاۤ اِخۡوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآءِ
اِخۡوَانِهِنَّ وَلَاۤ اَبۡنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِیۡنَ
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدًا ﴿۵۵﴾
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا
عَلَیۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ

نبی کی بیویوں پر اپنے باپوں کے سامنے ہونے میں، البتہ کوئی گناہ نہیں ہے اور نہ اپنے بیٹوں کے، نہ اپنے بھائیوں کے، نہ اپنے بھتیجوں کے، نہ اپنے بھانجوں کے، نہ اپنے میل جول کی عورتوں کے اور نہ اپنی لونڈیوں کے سامنے ہونے میں کوئی گناہ ہے۔ تم اللہ سے ڈرتی رہو، (بیبیو)۔ بے شک، اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔[119] ۵۵

(یہ منافقین نہیں جانتے)۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیج رہے ہیں۔ ایمان والو، (تمھارے لیے بھی صحیح رویہ یہ ہے کہ) تم بھی اُس پر درود و سلام بھیجو۔[120] اللہ اور اُس

۱۱۹۔ یہ اوپر کے حکم سے استثنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں اب یہی لوگ بے تکلفی کے ساتھ داخل ہو سکیں گے یا جو اِن کے حکم میں ہوں گے۔ باقی سب لوگوں کے لیے آپ کی بیویاں اب حجاب میں رہیں گی۔ پیغمبر کے دشمنوں اور منافقین نے جو صورت حال پیدا کر دی ہے، اُس میں یہ پابندی ضروری ہے اور یہ پوری خدا ترسی اور تقویٰ کے ساتھ ہونی چاہیے، اِس سے محض خانہ پری مقصود نہیں ہے۔

اِس سے واضح ہے کہ لوگوں سے حجاب میں رہنے کا یہ حکم ایک خصوصی حکم ہے جو منافقین کی پیدا کردہ ایک خاص صورت حال میں اُن کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو دیا گیا تاکہ پیغمبر کا گھرانا کسی اسکینڈل کی زد میں نہ آجائے۔ اِس کا عام عورتوں اور عام حالات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱۲۰۔ اِس آیت سے جو حقیقتیں سامنے آتی ہیں، استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اُن کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾

کے رسول کو جو لوگ اذیت پہنچارہے ہیں، اُن پر اللہ نے دنیا اور آخرت، دونوں میں لعنت کر دی ہے[۱۲۱] اور اُن کے لیے اُس نے رسوا کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو (اِسی طرح اُن پر تہمتیں لگا کر)، بغیر اِس کے کہ اُنھوں نے کچھ کیا ہو، اذیت دے رہے ہیں، اُنھیں بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اُنھوں نے بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر لے لیا ہے۔[۱۲۲] ۵۶-۵۸

—

"ایک یہ کہ جس نبی کا مرتبہ اللہ اور اُس کے فرشتوں کی نظروں میں یہ ہے کہ اللہ اُس پر رحمت نازل فرماتا ہے اور فرشتے اُس پر رحمت کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں، حیف ہے اگر انسانوں میں سے کچھ لوگ اُس کے درپے آزار ہوں، دراں حالیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی احسان انسانوں ہی پر ہے، نہ کہ خدا اور اُس کے فرشتوں پر۔

دوسری یہ کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے ہیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی احسان نہیں کرتے، بلکہ خدا اور اُس کے فرشتوں کی ہم نوائی کر کے وہ اپنے کو سزاوار رحمت بناتے ہیں۔ جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے، جب آپ کو اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعائیں حاصل ہیں تو وہ دوسروں کی دعاؤں کے محتاج نہیں ہیں۔

تیسری یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا مرض نفاق کا علاج ہے۔ اِس لیے کہ یہاں جس محل میں اِس کی ہدایت فرمائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ منافقوں کی طرح نبی کو ایذا پہنچانے کے بجائے اہل ایمان کو نبی پر درود بھیجنا چاہیے۔ اِس سے یہ بات واضح طور پر نکلتی ہے کہ جو لوگ درود کا اہتمام رکھتے ہیں، اُن کے اندر نفاق راہ نہیں پاتا۔

چوتھی یہ کہ مقصود درود وسلام کی تکثیر ہے۔ موقع ومحل بھی اِس مفہوم کا متقاضی ہے اور آیت کے الفاظ بھی اِسی کے شاہد ہیں۔ اِس لیے کہ 'سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا' میں مصدر تاکید وتکثیر کے مفہوم پر دلیل ہے۔"

(تدبر قرآن ۶/ ۲۶۷)

۱۲۱۔ دنیا میں بھی اِس لیے کہ معاملہ خدا کے رسول کا تھا اور رسولوں کے باب میں یہی سنت الٰہی ہے۔

۱۲۲۔ اِس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والے ہی نہیں، دوسرے مسلمان مرد اور

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ
جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

(اِن کی شرارتوں سے اپنی حفاظت کے لیے)، اے نبی، تم اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور سب مسلمانوں کی عورتوں کو ہدایت کر دو کہ (اندیشے کی جگہوں پر جائیں تو) اپنی چادروں میں سے کوئی بڑی چادر اپنے اوپر ڈال لیا کریں۔[۱۲۳] اِس سے امکان ہے کہ الگ پہچانی جائیں گی تو ستائی نہ جائیں گی۔[۱۲۴] اِس کے باوجود (کوئی خطا ہوئی تو) اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔۵۹

عورتیں بھی اُس زمانے میں منافقین کی شرارتوں کا ہدف بنے ہوئے تھے اور اُن کی اخلاقی ساکھ کو مجروح کرنے کے لیے وہ اُنھیں بھی کسی نہ کسی طریقے سے متہم کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ آگے جو حکم دیا گیا ہے، اُس میں عام مسلمان عورتوں کو اِسی بنا پر شامل کر دیا ہے۔ تاہم اُس طرح کے خطرات اُن کے لیے نہیں تھے، جن کا پیچھے ازواج مطہرات سے متعلق ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ وہاں شامل نہیں کیا گیا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۱۲۳۔ اصل میں ’يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن میں تبعیض ہمارے نزدیک ’جِلْبَابًا مِّنْ جَلَابِيْبِهِنَّ‘ کے مفہوم پر دلالت کے لیے ہے، یعنی اپنے گھروں میں موجود چادروں میں سے کوئی بڑی چادر جو بالعموم اوڑھنی کے اوپر لی جاتی تھی۔

۱۲۴۔ اِن الفاظ سے بھی واضح ہے اور حکم کا سیاق و سباق بھی بتا رہا ہے کہ یہ عورتوں کے لیے پردے کا کوئی حکم نہیں تھا، جیسا کہ عام طور پر لوگوں نے سمجھا ہے، بلکہ مسلمان عورتوں کے لیے اُن کی الگ شناخت قائم کر دینے کی ایک وقتی تدبیر تھی جو اوباشوں اور تہمت تراشنے والوں کے شر سے اُن کو محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کی گئی۔ اِس سے مقصود یہ تھا کہ وہ اندیشے کی جگہوں پر جائیں تو دوسری عورتوں سے الگ پہچانی جائیں اور اُن کے بہانے سے اُن پر تہمت لگانے کے مواقع پیدا کر کے کوئی اُنھیں اذیت نہ دے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں جب رات کی تاریکی میں یا صبح منہ اندھیرے رفع حاجت کے لیے نکلتی تھیں تو منافقین کے اشرار اُن کے درپے آزار ہوتے اور اِس پر گرفت کی جاتی تو فوراً کہہ دیتے تھے کہ ہم نے تو فلاں اور فلاں کی لونڈی سمجھ کر اُن سے فلاں بات معلوم کرنا چاہی تھی۔*

---

* تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر ۵۱۸/۳۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي
الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾ مَّلْعُوْنِيْنَ ۛۚ
اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

یہ منافقین اگر (اِس کے بعد بھی) اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور وہ بھی جن کے دلوں میں بیماری ہے[125] اور جو مدینہ میں لوگوں کو بھڑکانے کے لیے جھوٹ اڑانے والے ہیں[126] تو ہم اُن پر تمھیں اکسا دیں گے،[127] پھر وہ تمھارے ساتھ اِس شہر میں کم ہی رہنے پائیں گے۔ اُن پر پھٹکار ہو گی، جہاں ملیں گے، پکڑے جائیں گے اور بے دریغ قتل کر دیے جائیں گے۔[128] یہی اُن لوگوں کے بارے میں اللہ کی سنت ہے جو پہلے گزر چکے ہیں[129] اور اللہ کی اِس سنت میں تم ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔[130] ۶۰-۶۲

۱۲۵۔ یعنی حسد، کینہ اور بغض و عناد کی بیماری ہے۔ یہ بھی منافقین ہی کے ایک گروہ کی طرف اشارہ ہے جو صرف منافق ہی نہیں تھا، اِس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے بارے میں اپنے دل میں سخت عناد بھی رکھتا تھا اور مسلمانوں کے اندر داخل ہو کر اُن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

۱۲۶۔ اصل میں لفظ 'اِرْجَاف' استعمال ہوا ہے، یعنی لوگوں کے اندر اضطراب اور بے چینی پھیلانے کے ارادے سے فتنہ انگیز خبروں کا پروپیگنڈا کرنا۔ اِس گروہ کا کردار پیچھے کئی مقامات پر زیر بحث آچکا ہے۔ سیدہ زینب کے نکاح کے معاملے میں بھی یہی سب سے بڑھ کر فتنہ انگیزی کر رہا تھا۔

۱۲۷۔ یہ اِس لیے فرمایا ہے کہ اِن کے معاملے میں اب تک عفو و درگذر ہی کی ہدایت کی گئی تھی۔

۱۲۸۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اوپر کا حکم کس طرح کے اشرار سے مسلمانوں کی عزت و آبرو کو محفوظ رکھنے کے لیے دیا گیا ہے۔

۱۲۹۔ یعنی جن کی طرف اِس سے پہلے رسولوں کی بعثت ہوئی۔

۱۳۰۔ اِس لیے کہ تم بھی خدا کے رسول ہو اور تمھارے دشمنوں کے ساتھ بھی خدا وہی کرے گا جو رسولوں کے دشمنوں کے ساتھ اِس سے پہلے کرتا رہا ہے۔

[باقی]

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

ترجمہ و تحقیق: ڈاکٹر محمد عامر گزدر

علامات قیامت

(۳)

دجال کا خروج

—— ۱ ——

عَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ:[۱] سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «مَا بَيْنَ خَلْقِ آدَمَ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ فِتْنَةٌ أَكْبَرُ[۲] مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ[۳]».

وَعَنْهُ فِي رِوَايَةٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:[۴] «مَا بَيْنَ خَلْقِ آدَمَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ خَلْقٌ أَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ».

ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: آدم کی تخلیق سے لے کر قیامت کے قائم ہونے تک دجال کے فتنے سے زیادہ بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے۔

اِنھی سے ایک روایت میں نقل ہوا ہے، یہ کہتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: آدم کی تخلیق سے لے کر قیامت کے قائم ہونے تک دجال سے بڑی کوئی مخلوق نہیں ہے۔[1]

۱۔ یہ دوسرے لفظوں میں وہی بات بیان ہوئی ہے، جو اوپر مذکور ہے، مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی مخلوق نہیں ہے، جو اپنی فتنہ پردازی میں دجال سے بڑھ کر لوگوں پر حاوی ہو سکتی ہو۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۱۶۲۶۵ سے لیا گیا ہے۔ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اِس کے باقی طرق اِن مصادر میں نقل ہوئے ہیں: الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، رقم ۱۰۷۱۲، ۱۰۷۱۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۷۴۷۳۔ مسند احمد، رقم ۱۶۲۵۳، ۱۶۲۵۵، ۱۶۲۶۷۔ صحیح مسلم، رقم ۲۹۴۶۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۱۵۵۵، ۱۵۵۶۔ المفاريد، ابو یعلیٰ، رقم ۶۷، ۶۸۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳۔ مستدرک حاکم، رقم ۸۶۱۰۔ حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ابو نعیم، ۲/ ۲۵۴۔ السنن الواردۃ فی الفتن، دانی، رقم ۲۴، ۲۵۔ الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع، خطیب بغدادی، رقم ۱۷۶۶۔

۲۔ بعض طرق، مثلاً: الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، رقم ۱۰۷۱۲ میں یہاں 'أَکْبَرُ' کے بجاے اِسی معنی کا ایک دوسرا لفظ 'أَعظَمُ' آیا ہے۔

۳۔ بعض روایتوں، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۶۲۶۷ میں یہاں 'فِتْنَۃٌ أَکْبَرُ مِنْ فِتْنَۃِ الدَّجَّالِ'، ''دجال کے فتنے سے زیادہ بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے'' کے بجاے 'أَمْرٌ أَکْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ'، ''دجال سے بڑا کوئی معاملہ'' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔

۴۔ صحیح مسلم، رقم ۲۹۴۶۔

— ۲ —

عَنْ أَبِي بَکْرٍ الصِّدِّیقِ، قَالَ:[1] حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

«أَنَّ الدَّجَّالَ يَخْرُجُ مِنْ أَرْضٍ بِالْمَشْرِقِ، يُقَالُ لَهَا: خُرَاسَانُ، يَتَّبِعُهُ أَقْوَامٌ كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ».

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا ہے کہ دجال اُس مشرقی علاقے سے نکلے گا، جسے خراسان کہا جاتا ہے۔[1] اُس کی پیروی ایسے لوگ کریں گے جن کے چہرے ڈھالوں کی طرح چوڑے ہوں گے۔[2]

۱۔ یہ بلاد عراق سے لے کر ہندوستان کی سرحدوں تک پھیلے ہوئے وسیع علاقے کا قدیم نام ہے۔ آگے اصفہان کا ذکر بھی اِسی لحاظ سے آیا ہے۔

۲۔ اِس سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دجال کی پیروی کے لیے ابتدا میں جو لوگ آگے بڑھیں گے، وہ یاجوج وماجوج میں سے بھی ہوں گے۔ ڈھالوں کی طرح چوڑے چہرے بالعموم اِسی نسل کے لوگوں کے ہوتے ہیں۔ اِن کے لیے یہ تعبیر بعض دوسری روایتوں میں بھی منقول ہے۔ اِسے مستبعد نہیں سمجھنا چاہیے، اِس لیے کہ دجال کے خروج کا جو علاقہ اوپر بیان ہوا ہے، اُس کے گردونواح میں زیادہ تر یہی لوگ آباد ہیں۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۱۲ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات اِن مراجع میں نقل ہوئے ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۵۰۰۔ مسند احمد، رقم ۳۳۔ مسند عبد بن حمید، رقم ۴۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۴۰۷۲۔ الفتن، حنبل بن اسحاق، رقم ۲۳، ۲۴۔ سنن ترمذی، رقم ۲۲۳۷۔ مسند بزار، رقم ۴۶، ۴۷، ۴۸۔ مسند ابی بکر الصدیق، احمد بن علی المروزی، رقم ۵۷، ۵۸، ۵۹۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۳۳، ۳۴۔ معجم الصحابۃ، ابن قانع ۲/ ۶۱۔ مستدرک حاکم، رقم ۸۶۰۸۔ السنن الواردۃ فی الفتن، دانی، رقم ۶۲۹۔

— ۳ —

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:[1] «يَأْتِي الْمَسِيحُ

الدَّجَّالُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ وَهِمَّتُهُ الْمَدِينَةُ، حَتَّى يَنْزِلَ دُبُرَ أُحُدٍ، ثُمَّ تَصْرِفُ الْمَلَائِكَةُ وَجْهَهُ قِبَلَ الشَّامِ،[2] وَهُنَالِكَ يَهْلِكُ».

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسیح دجال مشرق کی طرف سے آئے گا[1] اور اُس کا عزم مدینہ کا ہوگا۔[2] (وہ قریب پہنچے گا)، یہاں تک کہ احد پہاڑ کے پیچھے آکر پڑاؤ ڈال دے گا۔ پھر خدا کے فرشتے اُس کا رخ شام کی طرف پھیر دیں گے[3] اور وہ وہیں ہلاک ہو جائے گا۔[4]

۱۔اِس سے وہی خراسان کا علاقہ مراد ہے، جس کا ذکر پیچھے ہوا ہے۔

۲۔یہود جس مسیح کے منتظر ہیں، اُس کا اصلی مشن، اُن کے نزدیک یہی ہے کہ وہ داؤد کی سلطنت اُن کے لیے بحال کرے گا۔ مدینہ کو وہ اِس سلطنت کا حصہ سمجھتے ہیں اور بارہا اِس کا اظہار کر چکے ہیں۔ چنانچہ اپنی مہمات میں دجال اگر مدینہ کا قصد بھی کرے گا تو اِس پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ صاحب ''تفہیم القرآن'' مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی لکھتے ہیں:

''اب اگر کوئی شخص مشرق وسطیٰ کے حالات پر ایک نگاہ ڈالے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے پس منظر میں اِن کو دیکھے تو وہ فوراً یہ محسوس کرے گا کہ اُس دجال اکبر کے ظہور کے لیے اسٹیج بالکل تیار ہو چکا ہے جو حضور کی دی ہوئی خبروں کے مطابق یہودیوں کا ''مسیح موعود'' بن کر اُٹھے گا۔ فلسطین کے بڑے حصے سے مسلمان بے دخل کیے جا چکے ہیں اور وہاں اسرائیل کے نام سے ایک یہودی ریاست قائم کر دی گئی ہے۔ اِس ریاست میں دنیا بھر کے یہودی کھچ کھچ کر چلے آرہے ہیں۔ امریکا، برطانیہ اور فرانس نے اِس کو ایک زبردست جنگی طاقت بنا دیا ہے۔ یہودی سرمایے کی بے پایاں امداد سے یہودی سائنس دان اور ماہرین فنون اِس کو روز افزوں ترقی دیتے چلے جا رہے ہیں۔ اور اِس کی یہ طاقت گرد و پیش کی مسلمان قوموں کے لیے ایک خطرۂ عظیم بن گئی ہے۔ اِس ریاست کے لیڈروں نے اپنی اِس تمنا کو کچھ چھپا کر نہیں رکھا ہے کہ وہ اپنی ''میراث کا ملک'' حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مستقبل کی یہودی سلطنت کا جو نقشہ وہ ایک مدت سے کھلم کھلا شائع کر رہے ہیں،... اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پورا شام، پورا لبنان، پورا اردن اور تقریباً سارا عراق لینے کے علاوہ ترکی سے اسکندرون، مصر سے سینا اور ڈیلٹا کا علاقہ اور سعودی عرب سے بالائی حجاز اور نجد کا علاقہ لینا چاہتے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ہیں، جس میں مدینہ منورہ بھی شامل ہے۔اِن حالات کو دیکھتے ہوئے صاف محسوس ہوتا ہے کہ آیندہ کسی عالمگیر جنگ کی ہڑبونگ سے فائدہ اُٹھا کر وہ اِن علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے اور ٹھیک اُس موقع پر وہ دجالِ اکبر اُن کا مسیح موعود بن کر اُٹھے گا، جس کے ظہور کی خبر دینے ہی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اکتفا نہیں فرمایا ہے، بلکہ یہ بھی بتادیا ہے کہ اُس زمانے میں مسلمانوں پر مصائب کے ایسے پہاڑ ٹوٹیں گے کہ ایک دن ایک سال کے برابر محسوس ہوگا۔اِسی بنا پر آپ فتنۂ مسیح دجال سے خود بھی خدا کی پناہ مانگتے تھے اور اپنی اُمت کو بھی پناہ مانگنے کی تلقین فرماتے تھے۔'' (تفہیم القرآن ۴/ ۱۶۶)

۳۔یعنی ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے بجاے وہ مجبور ہو جائے گا کہ شام کی طرف متوجہ ہو۔ چنانچہ مدینہ اِس کے نتیجے میں اُس کی تاخت سے محفوظ رہے گا۔

۴۔اِس کی تفصیلات آگے روایتوں میں بیان ہوئی ہیں۔

متن کے حواشی

۱۔اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۹۱۶۶ سے لیا گیا ہے۔اِس کے متابعات اِن مراجع میں آئے ہیں: احادیث اسماعیل بن جعفر، رقم ۲۷۹۔ صحیح مسلم، رقم ۱۳۸۰۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۶۴۵۹۔ حدیث علی بن حجر، رقم ۹۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۸۱۰۔ مستخرج ابی نعیم، رقم ۳۱۹۴۔

۲۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۸۱۰ میں یہاں 'ثُمَّ تَصْرِفُ الْمَلَائِكَةُ وَجْهَهُ قِبَلَ الشَّامِ'، ''پھر خدا کے فرشتے اُس کا رخ شام کی طرف پھیر دیں گے'' کے بجاے 'ثُمَّ يَغْدُو قِبَلَ الشَّامِ'، ''پھر وہ شام کی طرف روانہ ہو جائے گا'' کے الفاظ ہیں۔

۴

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:[۱] «يَتْبَعُ الدَّجَّالَ مِنْ يَهُودِ أَصْبَهَانَ، سَبْعُونَ أَلْفًا عَلَيْهِمُ الطَّيَالِسَةُ».

انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اصفہان

کے یہودیوں میں سے ستر ہزار لوگ دجال کی پیروی کریں گے،[1] وہ اپنے اوپر چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔[2]

۱۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اِس علاقے کے یہودیوں کی ایک بڑی تعداد ابتدا ہی میں دجال کی پیرو ہو جائے گی۔ ایران میں اِس وقت (۲۰۲۱ء) یہودیوں کی تعداد اگرچہ نو دس ہزار سے زیادہ نہیں ہے، تاہم نہیں کہا جا سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی جس زمانے سے متعلق ہے، اُس میں یہ اِس سے بڑھ کر کیا سے کیا ہو جائے گی۔ آپ کی نسبت سے یہ بیان، اگر غور کیجیے تو اِس بات کا واضح قرینہ بھی ہے کہ دجال یہود ہی میں سے ہو گا اور اُنھی کے مسیح موعود کی حیثیت سے مسلمانوں کے علاقوں، خاص کر مکہ اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا۔

۲۔ اِس سے اشارہ غالباً اُس خاص لباس کی طرف ہے، جو یہود کے مذہبی لوگ بالعموم پہنتے ہیں۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح مسلم، رقم ۲۹۴۴ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات کے مصادر یہ ہیں: الفوائد المنتقاۃ، ابن ابی الفوارس، رقم ۲۱۳۔ حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ابو نعیم ۶/ ۷۷۔ السنن الواردۃ فی الفتن، دانی، رقم ۶۳۰، ۶۳۱۔

— ۵ —

أَخْبَرَتْ أُمُّ شَرِيكٍ، أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:[1] «لَيَفِرَّنَّ النَّاسُ[2] مِنَ الدَّجَّالِ فِي الْجِبَالِ[3]»، قَالَتْ أُمُّ شَرِيكٍ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَأَيْنَ الْعَرَبُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: «هُمْ قَلِيلٌ».

ام شریک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے فرمایا: لوگ دجال سے فرار ہو کر پہاڑوں میں چلے جائیں گے۔[1] ام شریک نے عرض کیا: اللہ کے رسول،

اُس وقت یہ عرب کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: (اُس علاقے میں)[2] یہ بہت کم ہوں گے۔

۱۔ یعنی اُس کے فتنے سے بچنے کے لیے۔ اِس طرح کے حالات میں اگر مقابلے کی قوت نہ ہو تو ہر سلیم الطبع شخص کو یہی کرنا چاہیے۔

۲۔ اِس سے غالباً وہی علاقہ مراد ہے، جہاں سے دجال اپنے فتنے کی ابتدا کرے گا۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح مسلم، رقم ۲۹۴۵ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات کے مراجع یہ ہیں: مسند احمد، رقم ۲۷۶۲۰۔ سنن ترمذی، رقم ۳۹۳۰۔ الآحاد والمثانی، ابن ابی عاصم، رقم ۳۳۲۶۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۷۹۷۔ معرفۃ الصحابۃ، ابونعیم، رقم ۷۹۶۳۔

۲۔ معرفۃ الصحابۃ، ابونعیم، رقم ۷۹۶۳ میں یہاں 'النَّاسُ' کے بجاے 'أُنَاسٌ' کا لفظ ہے۔ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔

۳۔ سنن ترمذی، رقم ۳۹۳۰ میں یہاں 'فِي الْجِبَالِ' کے بجاے 'حَتَّى يَلْحَقُوا بِالجِبَالِ'، ''یہاں تک کہ پہاڑوں پر جا کر بیٹھ جائیں گے'' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

— ۶ —

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:[1] «مَنْ سَمِعَ [مِنْكُمْ[2]] بِالدَّجَّالِ[3] فَلْيَنْأَ عَنْهُ[4] [مَا اسْتَطَاعَ[5]]، [- فَقَالَهَا ثَلَاثًا-[6]] فَوَ اللّٰهِ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَأْتِيهِ وَهُوَ يَحْسِبُ أَنَّهُ مُؤْمِنٌ فَيَتَّبِعُهُ، مِمَّا يَبْعَثُ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ»، أَوْ «لِمَا يَبْعَثُ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ»[7].

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص دجال کے خروج کے بارے میں سنے، اُس کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو، اُس سے

دور رہے۔[۱] آپ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی۔ (اور فرمایا:) اللہ کی قسم، آدمی اُس کے پاس یہ خیال کرکے آئے گا کہ وہ مومن ہے،[۲] لیکن پھر اُس کے اٹھائے ہوئے شبہات میں اُس کی پیروی کرنے لگے گا، یا فرمایا کہ وہ دجال کے اٹھائے ہوئے شبہات کی وجہ سے اُس کی پیروی کرنے لگے گا۔[۳]

۱۔ اِس لیے کہ عام لوگوں کے لیے فتنوں سے دور رہنے ہی میں عافیت ہوتی ہے۔

۲۔ یعنی خدا اور آخرت کا ماننے والا ہے، جس طرح کہ تمام یہود، مسیحی اور مسلمان ہمیشہ سے مانتے رہے ہیں۔

۳۔ یعنی وہ شبہات جو مسیح موعود کی حیثیت سے اپنے دعوے کے اثبات اور اُس کے لازمی نتیجے کے طور پر دینی حقائق کی تردید کے لیے دجال لوگوں کے ذہنوں میں پیدا کرنے کی کوشش کرے گا۔ لفظ 'شبہات' یہاں نتیجے کے لحاظ سے بالکل اُسی طرح استعمال ہوا ہے، جس طرح ہم جدیدیت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اُس نے جو شبہات مسلمان نوجوانوں کے ذہنوں میں پیدا کر دیے ہیں۔

www.almawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً سنن ابی داؤد، رقم ۴۳۱۹ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی تنہا عمران بن حصین ہیں۔ متن کے معمولی اختلاف کے ساتھ اِس کے باقی طرق اِن مراجع میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۴۵۹۔ مسند احمد، رقم ۱۹۸۷۵، ۱۹۹۶۸۔ الفتن، حنبل بن اسحاق، رقم ۱۰، ۱۴۔ مسند بزار، رقم ۳۵۹۰۔ السادس من مشیخۃ ابن حیویہ، رقم ۳۔ امالی ابی بکر النجاد، رقم ۱۵، ۱۶، ۱۷۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲۔ الابانۃ الکبریٰ، ابن بطہ، رقم ۴۷۵۔ مستدرک حاکم، رقم ۸۶۱۵، ۸۶۱۶۔ امالی ابن بشران، رقم ۱۴۱۴۔

۲۔ مسند بزار، رقم ۳۵۹۰۔

۳۔ بعض طرق، مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۴۵۹ میں یہاں 'مَنْ سَمِعَ مِنْكُمْ بِخُرُوجِ الدَّجَّالِ'، ''تم میں سے جو شخص دجال کے خروج کے بارے میں سنے'' کے الفاظ آئے ہیں۔

۴۔ بعض روایتوں، مثلاً الفتن، حنبل بن اسحاق، رقم ۱۴ میں یہاں 'فَلْيَنْأَ عَنْهُ'، ''اُس کو چاہیے کہ اُس سے دور رہے'' کے بجائے 'فَلْيَفِرَّ مِنْهُ'، ''اُس کو چاہیے کہ اُس سے فرار ہو جائے'' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۴۵۹۔

۶۔ مستدرک حاکم، رقم ۸۶۱۶۔

۷۔ مسند احمد، رقم ۱۹۹۶۸ میں یہاں 'بِمَا يُبْعَثُ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ' کے الفاظ ہیں۔ مسند بزار، رقم ۳۵۹۰ میں 'بِمَا يَرَى مَعَهُ مِنَ الشُّبُهَاتِ' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں، جب کہ مستدرک حاکم، رقم ۸۶۱۶ میں 'لِمَا بُعِثَ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ دراصل ایک ہی مدعا ہے جو اِن طرق میں متعدد اسالیب میں نقل ہوا ہے۔

— ۷ —

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، قَالَ:[1] مَا سَأَلَ أَحَدٌ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّجَّالِ أَكْثَرَ مِمَّا سَأَلْتُهُ عَنْهُ، فَقَالَ لِي: «أَيْ بُنَيَّ، وَمَا يُنْصِبُكَ[2] مِنْهُ؟ إِنَّهُ لَنْ يَضُرَّكَ، [وَمَا مَسْأَلَتُكَ عَنْهُ؟ إِنَّكَ لَنْ تُدْرِكَهُ[3]]» قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ مَعَهُ جِبَالَ الْخُبْزِ وَأَنْهَارَ الْمَاءِ[4] فَقَالَ: «هُوَ أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ ذَاكَ».

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ دجال کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا کچھ میں نے پوچھا ہے، کسی اور نے نہیں پوچھا۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے مجھ سے فرمایا: بیٹے، کیا بات ہے جو تمھیں اُس سے پریشان کر رہی ہے؟ (اطمینان رکھو)، وہ تمھیں ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور یہ تم بار بار اُس کے بارے میں سوال کیوں کرتے ہو؟ تم اُس کا زمانہ ہرگز نہیں پاؤ گے۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، لوگ سمجھتے ہیں کہ اُس کے ساتھ روٹی کے پہاڑ اور پانی کی نہریں ہوں گی۔[1] اِس پر آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے یہ اِس سے کہیں آسان تر ہے۔[2]

۱۔ یہ وسائل رزق کی تعبیر ہے۔ جن لوگوں کے پاس اِن کی بہتات ہوتی ہے، لوگ اُنھی کو ان داتا سمجھ کر اُن کے عقائد و نظریات اور تہذیب و تمدن کو اختیار کرنے کے لیے مائل ہو جاتے ہیں۔ روایت سے معلوم ہوتا

ہے کہ دجال بھی اپنی فتوحات کے نتیجے میں بافراط یہ وسائل حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔اُس کی اِن فتوحات کا ذکر آگے روایتوں میں ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے سوا وہ مشرق وسطیٰ کی ساری زمین کو اپنی تاخت سے روند ڈالے گا۔

۲۔ مطلب یہ ہے کہ ایک بندۂ مومن اِس سے کیوں پریشان ہو؟ وہ جس پروردگار کو مانتا ہے، اُس کے لیے کیا مشکل ہے؟ وہ جب چاہے، زمین و آسمان کے خزانے اپنے ماننے والوں کے لیے کھول دے۔ پھر یہ روٹی کے پہاڑ اور پانی کی نہریں کیا چیز ہیں؟ یہ تو اللہ کے لیے کہیں آسان تر ہے۔تاہم اُس نے ابتلا کے جس اصول پر انسان کو پیدا کیا ہے، اُس کے تقاضے سے فتنہ پردازوں کو بھی مہلت مل جاتی ہے، جس طرح کہ وقت کے فراعنہ کو ہمیشہ ملتی رہی ہے۔اِس سے تمھارے جیسے کسی شخص کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

متن کے حواشی

www.javedahmadghamidi.com al-mawrid.org

ا۔اِس روایت کا متن اصلاً مسند احمد، رقم ۱۸۱۶۷ سے لیا گیا ہے۔ متن کے معمولی اختلاف کے ساتھ اِس کے باقی طرق اِن مراجع میں دیکھے جا سکتے ہیں: مسند حمیدی، رقم ۸۲۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۶۵۵۵، ۳۷۴۶۰۔ مسند احمد، رقم ۱۸۱۵۵، ۱۸۲۰۴۔ صحیح بخاری، رقم ۷۱۲۲۔ صحیح مسلم، رقم ۲۱۵۲، ۲۹۳۹۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۴۰۷۳۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۵۶۹۳۔ معجم ابن اعرابی، رقم ۱۲۴۲۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۷۸۲، ۶۸۰۰۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۳۰، ۱۰۳۱۔ شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ، لالکائی، رقم ۲۲۸۶۔

۲۔ بعض طرق، مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۶۵۵۵ میں یہاں 'يُنْصِبُكَ'، کے بجائے 'يُصِيبُكَ' کا لفظ آیا ہے۔ یہ ایک ہی بات کو بیان کرنے کے دو مختلف اسالیب ہیں۔

۳۔ مسند حمیدی، رقم ۸۲۷۔

۴۔ بعض طرق، مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۴۶۰ میں یہاں 'إِنَّ مَعَهُ الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔ بعض روایتوں، مثلاً مسند احمد، رقم ۱۸۲۰۴ میں 'إِنَّ مَعَهُ جَبَلَ خُبْزٍ وَنَهْرَ مَاءٍ' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ بعض طریقوں، مثلاً صحیح مسلم، رقم ۲۹۳۹ میں 'إِنَّ مَعَهُ الطَّعَامَ وَالْأَنْهَارَ' اور 'مَعَهُ جِبَالٌ مِنْ خُبْزٍ وَلَحْمٍ، وَنَهَرٌ مِنْ مَاءٍ' کے الفاظ ہیں۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۵۶۹۳ میں

'إِنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ مَعَهُ الطَّعَامَ وَالْأَنْهَارَ'، جب کہ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۹۵۷ میں 'إِنَّ مَعَهُ جَنَّةً وَنَارًا وَالطَّعَامَ وَالشَّرَابَ' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ کم و بیش ایک ہی مدعا ہے، جو الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ مختلف طرق میں نقل ہوا ہے۔

— ۸ —

عَنْ الْفَلْتَانَ بْنَ عَاصِمٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:[۱] «أَمَّا مَسِيحُ الدَّجَّالِ[۲] فَرَجُلٌ أَجْلَى الْجَبْهَةِ مَمْسُوحُ الْعَيْنِ الْيُسْرَى، عَرِيضُ النَّحْرِ، فِيهِ دَمَامَةٌ كَأَنَّهُ فُلَانُ بْنُ عَبْدِ الْعُزَّى أَوْ عَبْدُ الْعُزَّى بْنُ فُلَانٍ»[۳].

فلتان بن عاصم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسیح دجال ایک کشادہ پیشانی والا شخص ہے، جس کی بائیں آنکھ نہیں ہے۔ وہ چوڑے سینے والا ہے، اُس کی شخصیت میں کچھ بد صورتی سی ہے۔[۱] دیکھنے میں گویا عبد العزیٰ کا فلاں بیٹا ہو یا فرمایا کہ فلاں کا بیٹا عبد العزیٰ ہو۔[۲]

۱۔ یہ وہ تصویر ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً رُویا میں اُسے دیکھا ہے۔ روایت کا آخری جملہ، جس میں اُس کو عبد العزیٰ کے بیٹے سے مشابہ ٹھیرایا گیا ہے، اِس کا واضح قرینہ ہے۔ اِس طرح کے مشاہدات میں صورت بالعموم معنی ہی کا عکس ہوتی ہے، جسے سمجھ لیا جائے تو رُویا کی حقیقت بھی بڑی حد تک واضح ہو جاتی ہے، اور ہم اُس کی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اِس کے بعد پھر اُس کے لیے کسی لفظی استدلال کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ ایک طرف کشادہ پیشانی اور چوڑے سینے کا ذکر ہے اور دوسری طرف 'فِيهِ دَمَامَةٌ' کا۔ اِس سے مقصود غالباً یہ ہے کہ دجال کی شخصیت میں خوب و ناخوب اور خیر و شر کا ایسا امتزاج ہو گا کہ ظاہر کو دیکھنے والے جس طرح متاثر ہوں گے، اہل بصیرت اُسی طرح اُس کے اندھے پن کو بھی محسوس کر لیں گے، اور اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ صرف دنیا ہی کو دیکھ اور دکھا سکتا ہے، آخرت کو دیکھنے کے لیے جو آنکھ خدا نے انسان کو عطا فرمائی ہے، یہ اُس سے بالکل اندھا ہے۔

۲۔ یہ راوی کا شبہ ہے۔ اُسے یاد نہیں رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بات فرمائی تھی یا دوسری۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۴۵۸ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات مسند بزار، رقم ۳۶۹۸ اور المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۷۸۵۷ اور ۸۶۰ میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں۔

۲۔ روایت کے دوسرے تینوں طرق میں یہاں 'مَسِيحُ الدَّجَّالِ' کے بجاے 'مَسِيحُ الضَّلَالَةِ'، ''گم راہی کی دعوت دینے والا مسیح'' کے الفاظ منقول ہیں۔

۳۔ مسند بزار، رقم ۳۶۹۸ میں یہاں شک کے اسلوب کے بجاے صراحت کے ساتھ 'كَأَنَّهُ عَبْدُ الْعُزَّى بْنُ قَطَنٍ'، ''گویا وہ عبد العزیٰ کا بیٹا قطن ہو'' کے الفاظ آئے ہیں۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

۹

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:[۱] أَنَّهُ قَالَ فِي الدَّجَّالِ: «أَعْوَرُ [جَعْدٌ] هِجَانٌ أَزْهَرُ،[۲] كَأَنَّ رَأْسَهُ أَصَلَةٌ،[۳] [مَطْمُوسُ عَيْنِهِ الْيُسْرَى، وَالْأُخْرَى كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ،[۴]] أَشْبَهُ النَّاسِ بِعَبْدِ الْعُزَّى بْنِ قَطَنٍ، [رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ،[۵]] فَإِمَّا هَلَكَ الْهُلَّكُ، فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ».

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے بارے میں فرمایا: وہ کانا، گھنگریالے بالوں والا ہے۔ اُس کا رنگ نہایت سفید ہے۔ اُس کا سر گویا سانپ کی طرح ہے۔ اُس کی بائیں آنکھ نہیں ہے اور دوسری آنکھ ایسی ہے، جیسے وہ انگور کا ابھرا ہوا دانہ ہو۔ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ خزاعہ قبیلے کے ایک شخص عبد العزیٰ بن قطن کے مشابہ ہے۔ اگر ہلاک ہونے والے ہلاک ہونے لگیں گے تو (یاد رکھنا کہ) تمھارا پروردگار یک چشم نہیں ہے۔[۲]

۱۔ یعنی اُس کی پیروی کے نتیجے میں ہلاک ہونے والے۔

۲۔ اِس سے بھی یہی اشارہ نکلتا ہے کہ اوپر جو تصویر بیان ہوئی ہے، وہ دجال کے باطن ہی کی تصویر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدات میں اِسی طرح نمایاں ہوئی۔ چنانچہ آپ کا یہ جملہ کہ تمھارا پروردگار یک چشم نہیں ہے، اُسی کے تقابل میں ہے۔ اِس سے خدا کے جسم کا کوئی تصور پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ مدعا یہ ہے کہ تمھارا پروردگار اپنی ہدایت میں دنیا اور آخرت، دونوں کو اُن کے صحیح محل پر دیکھتا اور دکھاتا ہے، جس طرح کہ اُنھیں دیکھنا اور دکھانا چاہیے، لہٰذا وہ یک چشم نہیں ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً، مسند احمد، رقم ۲۱۴۸ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے دوسرے طرق اِن مصادر میں نقل ہوئے ہیں: مسند طیالسی، رقم ۲۸۰۰۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۴۷۰۔ مسند احمد، رقم ۲۸۵۲۔ الفتن، حنبل بن اسحاق، رقم ۲۔ غریب الحدیث، ابراہیم الحربی ۲/ ۳۷۲۔ السنۃ، عبد اللہ بن احمد، رقم ۱۰۰۳، ۱۰۱۳، ۱۱۳۰۔ التوحید، ابن خزیمہ ۱/ ۱۰۱۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۷۹۶۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۱۷۱۱، ۱۱۷۱۲، ۱۱۷۱۳۔

۲۔ بعض طرق، مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۴۷۰ میں یہاں 'أَزْهَرُ' کے بجاے اِسی مفہوم کا ایک لفظ 'أَقْمَرُ' آیا ہے۔

۳۔ بعض طرق، مثلاً المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۱۷۱۲ میں یہاں 'كَأَنَّ رَأْسَهُ أَصَلَةٌ'، ''اُس کا سر گویا سانپ کی طرح ہے'' کے بجاے 'كَأَنَّ رَأْسَهُ غُصْنُ شَجَرَةٍ'، ''اُس کا سر گویا کسی درخت کا گھونسلا ہے'' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

۴۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۱۷۱۳۔

۵۔ السنۃ، عبد اللہ بن احمد، رقم ۱۰۰۳۔

— ۱۰ —

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ،[۱] أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ

الدَّجَّالَ بَيْنَ ظَهْرَانَيِ النَّاسِ، فَقَالَ: [«يَا أَيُّهَا النَّاسُ،[2]] إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَيْسَ بِأَعْوَرَ، أَلَا وَإِنَّ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنَى، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِئَةٌ[3]».

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے دجال کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: لوگو، اللہ تعالیٰ یک چشم نہیں ہے۔ سن رکھو، بلاشبہ مسیح دجال دائیں آنکھ سے اندھا ہے۔ اُس کی وہ آنکھ گویا خشک انگور کے دانے کی طرح ہے۔[1]

۱۔ یہی تصویر پیچھے بھی بیان ہو چکی ہے۔ اِس میں بائیں کے بجائے دائیں آنکھ کے اندھے ہونے کا ذکر ہے۔ اِس طرح کی غلطیاں راویوں سے بالعموم ہو جاتی ہیں۔ ہم نے پیچھے اِس تعبیر کی وضاحت جس طریقے سے کی ہے، اُس کے بعد، اگر غور کیجیے تو دائیں آنکھ کا اندھا پن زیادہ معنی خیز ہے۔ اِس کے علاوہ بھی کچھ تضادات ہیں جو راویوں کے بیانات سے پیدا ہو گئے ہیں۔ اِس طرح کی روایتوں میں اِن سے صرف نظر کر کے اصل بات پر نگاہ رکھنی چاہیے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح مسلم، رقم ۱۶۹ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات اِن مصادر میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۴۵۶۔ مسند احمد، رقم ۴۹۴۸، ۶۰۷۰، ۶۱۴۴۔ صحیح بخاری، رقم ۷۴۰۷۔ الفتن، حنبل بن اسحاق، رقم ۳۔ سنن ترمذی، رقم ۲۲۴۱۔ السنۃ، عبد اللہ بن احمد، رقم ۱۰۰۰، ۱۰۱۱۔ التوحید، ابن خزیمۃ ۱/ ۹۸، ۱۰۰۔ الشریعۃ، آجری، رقم ۸۸۳۔ الایمان، ابن مندہ ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۶۔ السنن الواردۃ فی الفتن، دانی، رقم ۶۵۰۔

۲۔ التوحید، ابن خزیمۃ ۱/ ۱۰۰۔

۳۔ دوسرے طرق، مثلاً مسند احمد، رقم ۴۹۴۸ میں یہاں 'طَافِئَةٌ' کے بجائے 'طَافِيَةٌ' ''ابھرے ہوئے'' کا لفظ آیا ہے۔

— ۱۱ —

إِنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ:[۱] قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الدَّجَّالُ أَعْوَرُ، وَهُوَ أَشَدُّ الْكَذَّابِينَ».

جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال یک چشم ہے، اور وہ سب سے بڑھ کر جھوٹا ہو گا۔[۱]

۱۔ یہ لفظ دجال ہی کی مزید وضاحت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اِس طریقے سے مہدی و مسیح ہونے کے دعوے کرنے والے جتنے جھوٹے اُس سے پہلے پیدا ہوئے ہوں گے، وہ اُن سب سے بڑھ کر جھوٹا ہو گا۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۱۴۵۶۹ سے لیا گیا ہے اور اِس کا ایک ہی متابع ہے جو مسند الحارث، رقم ۷۸۱ میں نقل ہوا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

— ۱۲ —

إِنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ يَقُولُ:[۱] ذُكِرَ الدَّجَّالُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «إِحْدَى عَيْنَيْهِ كَأَنَّهَا زُجَاجَةٌ خَضْرَاءُ[۲]».

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دجال کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا: اُس کی ایک آنکھ ایسی ہو گی، گویا وہ سبز رنگ کا شیشہ ہو۔[۱]

۱۔ یہ وہی بات ایک دوسرے اسلوب میں بیان ہوئی ہے، جس کے لیے پیچھے 'عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ' کے الفاظ آئے ہیں۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند شاشی، رقم ۱۴۵۱ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات اِن مصادر میں نقل ہوئے ہیں: مسند طیالسی، رقم ۵۴۶۔ مسند احمد، رقم ۲۱۱۴۵، ۲۱۱۴۶، ۲۱۱۴۷، ۲۱۱۴۸۔ الاغراب، نسائی، رقم ۵۵۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۵۱۸۸، ۵۱۸۹۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۷۹۵۔ طبقات المحدثین باصبہان والواردین علیہا، ابو الشیخ اصبہانی ۱/ ۳۷۴۔ حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ابو نعیم ۴/ ۳۶۳۔ اخبار اصبہان، ابو نعیم ۱/ ۲۹۷، ۳۴۷۔

۲۔ اخبار اصبہان، ابو نعیم ۱/ ۲۹۷ میں یہاں 'عَيْنَاهُ خَضْرَاءُ كَالزُّجَاجَةِ'، ''اُس کی دونوں آنکھیں شیشے کی طرح سبز ہوں گی'' کے الفاظ ہیں۔

ــــ ۱۳ ــــ

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:[1] «الدَّجَّالُ أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُسْرَى، جُفَالُ الشَّعْرِ،[2] مَعَهُ جَنَّةٌ وَنَارٌ، فَنَارُهُ جَنَّةٌ وَجَنَّتُهُ نَارٌ».

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ فِي الدَّجَّالِ:[3] «إِنَّ مَعَهُ مَاءً وَنَارًا، فَنَارُهُ مَاءٌ بَارِدٌ، وَمَاؤُهُ نَارٌ، [فَلَا تَهْلِكُوا[4]]» قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ: أَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وَفِي لَفْظٍ عَنْهُ قَالَ:[5] قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ مَعَ الدَّجَّالِ جَنَّةً، وَنَارًا، وَجَبَلَ خُبْزٍ، وَنَهَرَ مَاءٍ، فَنَارُهُ جَنَّةٌ وَجَنَّتُهُ نَارٌ، وَهُوَ جَعْدُ الرَّأْسِ، مَمْسُوحُ عَيْنِ الْيُسْرَى».

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دجال کی بائیں آنکھ نہیں ہے۔ وہ گھنے بالوں والا ہے۔ اُس کے ساتھ ایک باغ ہے اور ایک آگ۔ اُس کی آگ در حقیقت باغ ہے اور باغ اصل میں آگ ہے۔[1]

حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے بارے میں فرمایا: یقیناً اُس کے ساتھ پانی بھی ہے اور آگ بھی۔[2] اُس کی آگ در حقیقت ٹھنڈا پانی اور اُس کا پانی آگ ہے۔ چنانچہ (اُس کی پیروی کر کے) تم ہلاک نہ ہو جانا۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات میں نے بھی سنی ہے۔

روایت کے ایک طریق میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ بھی نقل ہوئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال کے پاس ایک باغ، ایک آگ، ایک روٹی کا پہاڑ اور پانی کی ایک نہر ہے۔[3] اُس کی آگ در حقیقت باغ ہے اور باغ اصل میں آگ ہے۔ وہ گھنگریالے بالوں والا ہے اور اُس کی بائیں آنکھ نہیں ہے۔

۱۔ یہ نعمت اور نقمت کی تعبیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُس کی پیروی سے دنیا میں جو نعمت بھی حاصل ہو گی، وہ نتیجے کے لحاظ سے نقمت ہے اور اُس سے اختلاف دنیا میں جس نقمت کا باعث ہو گا، وہ نتیجے کے لحاظ سے نعمت ہے۔

۲۔ اِس کے بعد جو طریق نقل ہوا ہے، اُس سے واضح ہے کہ اصل جملہ ''ایک باغ، ایک آگ، ایک روٹی کا پہاڑ اور پانی کی ایک نہر'' ہی تھا، جسے راوی نے غلطی سے اِس طرح مختصر کر دیا ہے۔

۳۔ روٹی اور پانی وسائل رزق کی تعبیریں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اُس کا ساتھ دینے والوں کو جو چیزیں اِسی دنیا میں حاصل ہو جائیں گی، اُن میں سامان راحت کے علاوہ وسائل رزق کی فراوانی بھی شامل ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۲۳۲۵۰ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات اِن مصادر میں دیکھ لیے جا سکتے ہیں: مسند احمد، رقم ۲۳۳۶۵۔ صحیح مسلم، رقم ۲۹۳۴۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۴۰۷۱۔ مسند بزار، رقم ۲۸۶۶۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۳۸۔

۲۔ مسند بزار، رقم ۲۸۶۶ میں یہاں ’جُفَالُ الشَّعْرِ‘، ”گھنے بالوں والا“ کے بجاے ’جَعْدٌ‘، ”گھنگر یالے بالوں والا“ کا لفظ آیا ہے۔

۳۔ اِس روایت کا متن اصلاً صحیح بخاری، رقم ۱۳۰۷ سے لیا گیا ہے۔ اِس متن کے باقی طرق اِن مراجع میں نقل ہوئے ہیں: مسند احمد، رقم ۲۳۳۸۳۔ صحیح مسلم، رقم ۲۹۳۴۔ مسند بزار، رقم ۲۸۲۳، ۲۸۶۷۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۳۶۔ امالی المحاملی روایۃ ابن یحییٰ البیع، رقم ۳۱۵۔ السنن الواردۃ فی الفتن، دانی، رقم ۶۵۲۔

۴۔ مسند احمد، رقم ۲۳۳۸۳۔

۵۔ مسند بزار، رقم ۲۸۶۷۔

— ۱۴ —

عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:[1] «لَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا مَعَ الدَّجَّالِ مِنَ الدَّجَّالِ، إِنَّ مَعَهُ نَارًا تَحْرِقُ، وَنَهْرَ مَاءٍ بَارِدٍ، فَمَنْ أَدْرَكَهُ مِنْكُمْ فَلَا يَهْلَكَنَّ بِهِ فَلْيُغْمِضَنَّ عَيْنَيْهِ، وَلْيَقَعْ فِي الَّذِي يَرَى أَنَّهُ نَارٌ، فَإِنَّهُ نَهْرُ مَاءٍ بَارِدٍ».

وَعَنْهُ أَيْضًا قَالَ:[2] قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا مَعَ الدَّجَّالِ مِنَ الدَّجَّالِ، مَعَهُ نَهْرَانِ يَجْرِيَانِ: أَحَدُهُمَا رَأْيَ الْعَيْنِ مَاءٌ أَبْيَضُ، وَالْآخَرُ رَأْيَ الْعَيْنِ نَارٌ تَأَجَّجُ، فَإِنْ أَدْرَكَنَّ وَاحِدًا[3] مِنْكُمْ فَلْيَأْتِ النَّهَرَ الَّذِي يَرَاهُ نَارًا فَلْيُغْمِضْ [عَيْنَيْهِ[4]] ثُمَّ لِيُطَأْطِئْ رَأْسَهُ، فَلْيَشْرَبْ فَإِنَّهُ مَاءٌ [عَذْبٌ[5]] بَارِدٌ، وَإِنَّ الدَّجَّالَ [يَعْرِفُهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ،[6]] مَمْسُوحُ الْعَيْنِ الْيُسْرَى، عَلَيْهَا ظَفَرَةٌ غَلِيظَةٌ، مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ، يَقْرَؤُهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ[7] كَاتِبٌ وَغَيْرُ كَاتِبٍ».

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال کے پاس جو کچھ

ہو گا، اُس کے بارے میں مجھے خود دجال سے زیادہ علم ہے۔ اُس کے پاس جلا دینے والی آگ اور ٹھنڈے پانی کی ایک نہر ہو گی۔ سو تم میں سے جو اُسے پائے، اُس کے فریب میں آ کر ہرگز ہلاک نہ ہو، بلکہ اپنی دونوں آنکھیں بند کر لے اور جو چیز اُس کو آگ دکھائی دے رہی ہو، اُس میں کود جائے، اِس لیے کہ درحقیقت وہی ٹھنڈے پانی کی نہر ہو گی۔[1]

اِنھی حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال کے پاس جو کچھ ہو گا، میں اُس کے بارے میں خود دجال سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ اُس کے پاس دو بہتی ہوئی نہریں ہوں گی، جن میں سے ایک کو دیکھیں تو لگے گا کہ سفید رنگ کا پانی ہے اور دوسری بھڑکتی ہوئی آگ دکھائی دے گی۔ اُس نے تم میں سے کسی کو پالیا تو اُسے چاہیے کہ اُس نہر کی طرف آئے، جسے وہ آگ (کی طرح) دیکھ رہا ہو اور اپنی دونوں آنکھیں بند کرے، پھر اپنا سر جھکائے اور (اُس میں سے) پیے، اِس لیے کہ یہ میٹھا اور ٹھنڈا پانی ہو گا۔ اور دجال کو ہر صاحب ایمان پہچان لے گا۔ اُس کی بائیں آنکھ بند ہو گی۔ اُس کے اوپر موٹی جلد ہو گی۔[2] اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان 'کافر' لکھا ہو گا جسے ہر صاحب ایمان پڑھ لے گا،[3] خواہ وہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔[4]

۱۔ مطلب یہ ہے کہ اُس کی مخالفت کرنے میں جیسے کچھ خطرات بھی نظر آ رہے ہوں، اُن کی پروا کیے بغیر پورے عزم و جزم کے ساتھ اُس کا انکار کر دے۔ اِس لیے کہ بالآخر اِسی کا نتیجہ اُس کے لیے خدا کی ابدی جنت کی صورت میں نکلے گا۔

۲۔ اِس کی وضاحت پیچھے ہو چکی ہے۔

۳۔ یہ اِس بات کی تعبیر ہے کہ دجال کا یہ کفر کہ وہ خدا کے نام پر لوگوں کو دھوکا دے رہا ہے، ہر مسلمان کے لیے ایسا واضح ہو گا کہ گویا وہ اُس کی پیشانی پر لفظ 'کافر' لکھا ہوا پڑھ رہا ہے۔

۴۔ مطلب یہ ہے کہ دجال کے اِس کفر کو پڑھنے کا تعلق لوگوں کے پڑھا لکھا ہونے سے نہیں، بلکہ اُن کی بصیرت سے ہو گا، جو آدمی کو اُس کے سچے ایمان اور اللہ کی کتاب کے ساتھ اُس کے اشتغال سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ اِس بات کی مزید دلیل ہے کہ دجال سے متعلق یہ روایتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدات ہی ہیں،

جو آپ کو رؤیا میں ہوئے، لہٰذا لازماً محتاج تعبیر ہیں۔ اِنھیں اِن کے لفظی مفہوم میں نہیں لینا چاہیے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۴۷۳ سے لیا گیا ہے۔ متن کے کچھ اختلاف کے ساتھ اِس کے باقی طرق اِن مصادر میں نقل ہوئے ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۴۷۳، ۳۷۵۰۵۔ مسند احمد، رقم ۲۳۳۳۸، ۲۳۳۵۳۔ صحیح بخاری، رقم ۳۴۵۰۔ صحیح مسلم، رقم ۲۹۳۵۔ الفتن، حنبل بن اسحاق، رقم ۳۳۔ شرح مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۵۶۹۱۔ امالی المحاملی روایۃ ابن یحییٰ البیع، رقم ۳۱۲۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۷۹۹۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۲۵۰۳۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۳۵، ۱۰۳۷۔ شعب الایمان، بیہقی، رقم ۶۷۶۰۔

۲۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۲۳۲۷۹ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے متابعات اِن مراجع میں نقل ہوئے ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۴۷۲۔ مسند احمد، رقم ۲۳۴۳۹۔ صحیح مسلم، رقم ۲۹۳۴۔ الفتن، حنبل بن اسحاق، رقم ۳۲۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۳۰۱۸۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۳۲، ۱۰۳۳۔ مستدرک حاکم، رقم ۸۵۰۷۔ فوائد تمام، رقم ۱۳۹۳۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۴۷۲ میں یہاں 'فَإِمَّا أَدْرَكَ أَحَدٌ ذَلِكَ' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم، رقم ۲۹۳۴ میں 'فَإِمَّا أَدْرَكَنَّ أَحَدٌ' کے الفاظ ہیں، جب کہ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۳۲ میں 'فَإِنْ أَدْرَكَهُ أَحَدٌ مِنْكُمْ' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ ایک ہی معنی کے لیے مختلف اسالیب ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ "اگر تم میں سے کسی نے اُس کو پالیا"۔

۴۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۳۲۔

۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۷۵۰۵۔

۶۔ الایمان، ابن مندہ، رقم ۱۰۳۲۔

۷۔ بعض طرق، مثلاً الفتن، حنبل بن اسحاق، رقم ۳۲ میں یہاں 'مُؤْمِن'، "صاحب ایمان" کے بجائے 'مُسْلِم'، "مسلمان" کا لفظ نقل ہوا ہے۔

[باقی]

محمد عمار خان ناصر

”میزان“ ــــ توضیحی مطالعہ

قانون سیاست

(۵)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

زکوٰۃ کے علاوہ ٹیکس کا جواز

”زکوٰۃ کے بارے میں یہ سنت قائم کی ہے کہ یہی تنہا ٹیکس ہے جو مسلمانوں پر عائد کیا جا سکتا ہے۔“

(میزان ۴۹۱)

”زکوٰۃ کے علاوہ جس کی شرح اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کی وساطت سے مختلف اموال میں مقرر کر دی ہے، وہ نہ مسلمانوں پر اُن کی رضامندی کے بغیر کسی نوعیت کا کوئی ٹیکس عائد کر سکتے ہیں نہ ایک مٹھی بھر گندم، ایک پیسا، ایک حبہ اُن کے اموال میں سے، کسی بھی مد میں، بالجبر لینے کی جسارت کر سکتے ہیں۔“ (میزان ۴۹۴)

اس بحث سے متعلق مختلف پہلوؤں کی وضاحت مصنف کی مختلف دیگر تحریروں اور زبانی گفتگوؤں میں کی گئی ہے۔ بنیادی طور پر یہاں تین سوالات تنقیح طلب ہیں:

۱۔ کیا مسلمانوں سے زکوٰۃ کے علاوہ اجتماعی مصارف کے لیے کوئی محصول لیا جا سکتا ہے؟ اگر کوئی اجتماعی ضرورت زکوٰۃ کی رقم سے پوری نہ کی جا سکے تو کیا حکومت ہنگامی حالات میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی محصول عائد کر سکتی ہے؟

۲۔ اگر زکوٰۃ کے علاوہ کوئی محصول نہیں لیا جا سکتا تو زکوٰۃ کی شرح شرعاً طے شدہ ہونے اور اس کے مصارف

متعین اور محدود ہونے، نیز تملیک ذاتی کی شرط کے تناظر میں ریاست کی مجموعی ضروریات کی تکمیل کا انتظام کیا ہوگا؟

۳۔ جدید ریاستوں میں ٹیکس کے عنوان سے شہریوں کی آمدنی سے جو رقم وصول کی جاتی ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جمہور فقہا و اہل علم کا موقف یہ رہا ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ حکومت مستقلاً کوئی اضافی ٹیکس مسلمانوں پر عائد نہیں کر سکتی۔ البتہ کسی ہنگامی ضرورت کے لیے ایسا کرنا ناگزیر ہو تو فقہی روایت میں عموماً حکومت کے لیے پیش آمدہ ضرورت کے بقدر وقتی طور پر شہریوں سے مخصوص رقم وصول کرنے کا اختیار تسلیم کیا گیا ہے۔* امام الحرمین الجوینی نے اس کا جواز اس پہلو سے واضح کیا ہے کہ مسلمانوں کی کسی اجتماعی ضرورت کو پورا کرنا مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے اور مسلمان پابند ہیں کہ ضرورت پیش آنے پر باہم مل کر اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں۔ چونکہ حکومت اجتماعی امور کے انتظام و انصرام میں تمام مسلمانوں کی نمایندہ ہوتی ہے اور انھی کی طرف سے تفویض کی گئی ذمہ داریوں کو بجالاتی ہے، اس لیے حکومت بوقت ضرورت اصحاب اموال سے بقدر ضرورت رقم وصول کرنے کا اختیار رکھتی ہے اور اصحاب اموال پر حکومت کے ساتھ تعاون کرنا شرعاً لازم ہے (غیاث الامم ۲۸۰-۲۸۶)۔

تاہم جدید دور میں اہل علم کے ایک بڑے گروہ کا رجحان یہ ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ مسلمانوں کے اموال پر کوئی ٹیکس عائد کرنے میں نہ صرف یہ کہ شرعاً کوئی مانع نہیں، بلکہ جدید دور میں ایسا کرنا ضروری ہے اور یہ بھی کہ نئے حالات میں اس کا جواز صرف ہنگامی اور اضطراری حالات کے لیے نہیں ہے، بلکہ یہ ریاستی نظم ونسق کی ایک مستقل ضرورت کا درجہ رکھتے ہیں۔ علامہ یوسف القرضاوی نے اس ضمن میں درج ذیل استدلالات پیش کیے ہیں:

۱۔ مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات کا بندوبست مسلمان معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری ہے اور اگر زکوٰۃ کی رقم ان مختلف اور متنوع ضروریات کے لیے کافی نہ ہو تو اجتماعی ذمہ داری کے اصول پر مسلمان مزید وسائل مہیا کرنے کے پابند ہیں۔ اس مقصد کے لیے حکومت ان سے زکوٰۃ کے علاوہ بھی محاصل وصول کر سکتی ہے۔

۲۔ زکوٰۃ کے مصارف مخصوص اور متعین ہیں اور زکوٰۃ ان کے علاوہ دیگر مصارف پر خرچ نہیں کی جا سکتی، جب کہ ریاستی ذمہ داریوں کا دائرہ نوعیت کے لحاظ سے ان سے بہت وسیع ہے۔ اسلامی تاریخ کے ابتدائی زمانوں

* اس ضمن میں فقہی مواقف کی تفصیل کے لیے دیکھیے: الدکتور یوسف القرضاوی، فقہ الزکوٰۃ ۱۱۰۰-۱۱۰۵۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں غنائم اور مال فے کی صورت میں دو بڑے ذریعے موجود تھے جن سے بیت المال میں رقم جمع ہوتی تھی اور ان سے ریاستی ذمہ داریاں پوری کی جاتی تھیں۔ جدید دور میں یہ دو ذرائع ناپید ہو گئے ہیں، جب کہ ریاستی ضروریات جوں کی توں موجود ہیں، چنانچہ ان کے متبادل کے طور پر زکوٰۃ کے علاوہ محاصل وصول کرنا شرعی اصول کی رو سے ناگزیر ہے۔

۳۔ ریاستی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے علاوہ خود ریاست کی بقا بھی جدید دور میں ٹیکسوں کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے شریعت کے عمومی قواعد، یعنی حفظ مصلحت اور دفع ضرر کا بھی یہ تقاضا ہے کہ حکومتیں زکوٰۃ کے علاوہ بھی ٹیکس لازماً وصول کریں۔ اس کی تائید میں قرضاوی نے امام غزالی اور امام شاطبی کی آرا نقل کی ہیں، جن کا کہنا ہے کہ اگر عسکری اخراجات کے لیے بیت المال میں موجود وسائل ناکافی ہوں تو حکمران کے لیے فوجی ضروریات کے حساب سے ملک کے مال دار طبقات پر ٹیکس عائد کرنا جائز ہے۔

۴۔ جدید دور میں عسکری و فوجی اخراجات کا حجم بہت ہی بڑھ گیا ہے جو کثیر مالی وسائل کا تقاضا کرتا ہے۔ مزید برآں کسی ملک کی طاقت میں عسکری قوت کے علاوہ سائنسی، صنعتی اور اقتصادی قوت کا بھی بنیادی کردار ہے اور ان سب پہلوؤں سے ایک مضبوط اور محفوظ ملک کو تشکیل دینے کے لیے جس قدر وسائل کی ضرورت ہے، وہ ٹیکس کے بغیر مہیا نہیں ہو سکتے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۵۔ حکومت رفاہ عامہ اور حکومتی نظم و نسق کی مد میں جو متنوع اخراجات کرتی ہے، ان سے ملک کے شہری مستفید ہوتے ہیں۔ یہ تمام بندوبست ٹیکس کی رقم کے بغیر ممکن نہیں، چنانچہ ان سہولیات کے معاوضے کے طور پر بھی حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ شہریوں سے ٹیکس وصول کرے (فقہ الزکوٰۃ ۱۰۷۳-۱۰۷۸)۔

البتہ قرضاوی اس اجازت کو چند بنیادی شرائط کے ساتھ مشروط قرار دیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ٹیکس واقعتاً اس وقت لیا جائے جب اس کی ضرورت ہو اور جتنی ضرورت ہو، اتنا ہی لیا جائے۔ مزید یہ کہ اس کو دیانت داری کے ساتھ ملک و قوم کی حقیقی ضروریات پر خرچ کیا جائے اور حکمران کے اللے تللے میں نہ اڑایا جائے۔ سب سے اہم یہ کہ ٹیکس وصولی اور اس کی مقدار وغیرہ کا فیصلہ اجتماعی مشاورت سے کیا جائے (فقہ الزکوٰۃ ۱۰۷۹-۱۰۸۵)۔

مذکورہ استدلال کی روشنی میں قرضاوی ان احادیث کا مصداق جن میں مسلمانوں پر مکوس، یعنی تجارتی محصولات عائد کرنے کو ممنوع ٹھیرایا گیا ہے، عہد نبوی میں دنیا کی مختلف سلطنتوں میں رائج ان محصولات کو قرار دیتے ہیں جو ظالمانہ تھے اور ان کی مقدار کی تعیین اور مصارف وغیرہ میں عدل وانصاف کو بالکل ملحوظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ یہ

محاصل قوم کی اجتماعی ضروریات کے بجاے حکمرانوں کے شاہانہ طرز زندگی اور عیاشیوں پر صرف ہوتے تھے اور ان کا بوجھ بھی ملک کے غریب اور کم زور طبقات پر ڈالا جاتا تھا۔ قرضاوی کہتے ہیں کہ دور جدید کی ریاستوں میں ٹیکس کا نظام اور ضوابط اس سے بہت مختلف ہیں اور ان کا بنیادی مصرف قوم کی اجتماعی ضروریات ہی ہوتی ہیں، اس لیے ان ٹیکسوں کو مذکورہ احادیث کا مصداق قرار نہیں دیا جا سکتا (۱۰۹۵-۱۰۹۶)۔

مولانا مودودی کا نقطۂ نظر بھی اس باب میں یہی ہے اور وہ مختلف شرعی اصولوں کی روشنی میں حکومت کے لیے زکوٰۃ کے علاوہ دیگر محاصل عائد کرنے کا اختیار تسلیم کرتے ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں:

> ’’حدیث میں اصول بیان کیا گیا ہے کہ ’ان فی المال حقًا سوی الزکوٰۃ‘، آدمی کے مال میں زکوٰۃ کے سوا اور بھی حق ہے۔ اس اصولی ارشاد کی موجودگی میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کیا ایک اسلامی حکومت زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے محاصل عائد کر سکتی ہے۔ پھر جب کہ قرآن میں زکوٰۃ کے لیے چند مخصوص مصارف معین کر دیے گئے ہیں تو لا محالہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان مصارف کے ماسوا جو دوسرے فرائض حکومت کے ذمے عائد ہوں، ان کو بجالانے کے لیے وہ دوسرے محاصل پبلک پر عائد کرے۔‘‘
>
> (رسائل ومسائل ۲/۱۱۳، ۳/۳۰۷، ۴/۱۵۵)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مصنف کا نقطۂ نظر اس بحث میں بنیادی طور پر دور جدید کے اہل علم سے مختلف اور فقہا کے روایتی موقف کے قریب ہے۔ جدید دور کے اہل علم مستقل بنیاد پر ٹیکس عائد کرنے کا حق دیتے ہیں، جس کا جواز ان کے نزدیک قوم کی اجتماعی ضروریات کی تکمیل سے اخذ ہوتا ہے۔ چونکہ اجتماعی ضرورت کی تکمیل کی ذمہ داری اصولاً پورے معاشرے پر عائد ہوتی ہے، اس لیے یہ اہل علم مستقل بنیاد پر ٹیکس کی ادائیگی کو قوم کی ذمہ داری قرار دیتے ہیں۔ مصنف کا موقف اس کے برعکس یہ ہے کہ اصولاً زکوٰۃ کے علاوہ مسلمانوں پر کوئی ٹیکس حکومت کو ادا کرنا شرعاً لازم نہیں اور حکومت بھی اس کا اختیار نہیں رکھتی۔

البتہ مصنف اور جمہور فقہا کے موقف میں ایک فرق یہ ہے کہ جمہور فقہا حکومت کو ہنگامی حالات میں ضرورت کی بنیاد پر ٹیکس لگانے کا اختیار دیتے ہیں، جب کہ مصنف نے اس کو ضرورت سے متعلق قرار دینے کے بجاے اسے مسلمانوں کی رضامندی سے مشروط قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق جبراً ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے بعد اب صرف ان کی رضامندی سے ہی حکومت کسی بھی اجتماعی ضرورت کے لیے ان کا مال لے سکتی ہے۔ مصنف نے اپنی ایک تحریر میں یہ رجحان ظاہر کیا ہے کہ ہنگامی ضروریات کے لیے حکومت کو

لوگوں سے تبرع اور نفلی انفاق کی اپیل کرنی چاہیے اور اگر حکومت پر لوگوں کو اعتماد ہو گا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ کسی قومی ضرورت کی تکمیل کے لیے اپنے اموال میں سے اپنا حصہ شامل نہ کریں (ماہنامہ اشراق)۔ یوں ٹیکس کے جواز کی بنیاد فقہا کے موقف اور مصنف کے نقطۂ نظر میں کافی مختلف ہو جاتی ہے۔ تاہم اس سوال کے حوالے سے مصنف کی تحریر میں کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ مسلمانوں کی رضامندی سے ان کا مال لینے کی عملی اور اطلاقی صورت کیا ہو گی؟ کیا اس کے لیے ہر اس شخص کی انفرادی رضامندی مطلوب ہے، جس پر زکوٰۃ کے علاوہ ٹیکس عائد کیا جائے گا یا جمہوری اصول کے مطابق عوامی نمایندوں کی اکثریت کا کسی ٹیکس کے عائد کیے جانے پر اتفاق کر لینا جواز کے لیے کافی ہو گا؟

بہر حال مصنف کا یہ بنیادی رجحان ان کے مختلف مواقف سے بہت واضح ہے کہ ان کے نزدیک مسلمانوں پر عائد کیے جانے والے محصولات کو بنیادی طور پر زکوٰۃ تک ہی محدود ہونا چاہیے اور حکومت کو اس سے زائد کوئی ٹیکس ان پر عائد نہیں کرنا چاہیے۔ اگر ہنگامی طور پر اس کی ضرورت محسوس ہو تو اسے بقدر ضرورت محدود اور لوگوں کی رضامندی کے ساتھ مشروط ہونا چاہیے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مصنف کا یہ رجحان ان متعدد فقہی اختلافات سے واضح ہوتا ہے جو ان کے اور عام اہل علم کے موقف کے مابین پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر عام اہل علم کے نزدیک زکوٰۃ کے مصارف مخصوص و متعین ہیں اور ریاست کو جن مختلف مدات میں وسائل کی ضرورت ہوتی ہے، ان سب کا احاطہ نہیں کرتے، اس لیے دیگر مدات کے لیے ٹیکس عائد کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ تاہم مصنف نے زکوٰۃ کے مصارف کی بحث میں مصارف کا وسیع تر مفہوم مراد لینے کا زاویۂ نظر اختیار کیا ہے۔ ان کی راے میں فی سبیل اللہ کے وسیع تر مفہوم میں جہاد اور حج کے علاوہ مساجد و مدارس کا قیام، مردوں کی تکفین، قلعوں کی تعمیر، دعوت و تبلیغ کی سرگرمیاں اور ہر طرح کے اعمال خیر بھی شامل ہیں۔ 'اَلْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا' کے تحت مصنف کے نزدیک صرف زکوٰۃ کے محصلین کو نہیں، بلکہ تمام سرکاری ملازمین کو تنخواہیں دی جاسکتی ہیں، اس لیے کہ ساری ریاستی مشینری بنیادی طور پر زکوٰۃ کی رقم جمع کرنے اور اسے قومی مصارف پر خرچ کرنے ہی کی ذمہ داری انجام دیتی ہے۔ مصنف نے 'مولفۃ القلوب' کے مفہوم کو بھی توسیع دیتے ہوئے ہر قسم کے سیاسی اخراجات کو اس میں شامل کیا ہے، جن کو اسلامی ریاست مسلمانوں اور اسلام کے مفاد کے لیے ضروری خیال کرے۔ مصنف کے زاویۂ نظر سے زکوٰۃ اور دیگر صدقات کا مقصد معاشرے کے اصحاب حاجت اور نظم اجتماعی کی ضروریات کو پورا کرنا ہوتا ہے اور اس لحاظ سے مصارف زکوٰۃ کو چند محدود

صورتوں تک محدود کرنا درست نہیں۔ اس کے بجاے بنیادی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے مصارف کا وسیع تر مفہوم مراد لینا ضروری ہے تاکہ ریاست کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں آسانی ہو۔

اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے جمہور فقہا کے نزدیک رقم کو کسی کی ذاتی ملکیت میں دینا بھی ضروری ہے اور اس لحاظ سے بھی زکوٰۃ کی رقم اجتماعی مصارف پر خرچ نہیں کی جاسکتی۔ مصنف کا نقطۂ نظر اس حوالے سے بھی عام راے سے مختلف ہے اور انھوں نے زکوٰۃ کی رقم کو کسی کی ذاتی ملکیت میں دینے سے متعلق ان اہل علم کی راے سے اتفاق کیا ہے جن کے نزدیک زکوٰۃ میں تملیک ذاتی ضروری نہیں اور زکوٰۃ کی رقم ذاتی طور پر کسی کی ملکیت میں دینے کے علاوہ بالواسطہ اس کی بہبود اور بھلائی کے لیے بھی صرف کی جاسکتی ہے۔ اس نقطۂ نظر کے مویدین کا استدلال یہ ہے کہ تملیک ذاتی کو شرط قرار دینے کے حق میں کوئی واضح دلیل قرآن یا حدیث میں نہیں پائی جاتی اور مصنف نے بھی ان کے استدلال سے اتفاق کیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ صنعتی پیداوار اور فیس کرایہ وغیرہ کی شرح زکوٰۃ سے متعلق مصنف کا نقطۂ نظر پیش نظر رہے تو ان کا یہ رجحان مزید واضح ہوتا ہے۔ مصنف کا موقف یہ ہے کہ صنعتی پیداوار، کسی فنی مہارت، مثلاً موسیقی یا خطاطی وغیرہ سے حاصل ہونے والی آمدن، جایداد یا مختلف قسم کی اشیا کے استعمال کا کرایہ، مہیا کی گئی خدمات کی فیس اور ملازمت یا محنت مزدوری کے معاوضے میں ملنے والی تنخواہ کو مال تجارت سے ملحق کر کے اس پر ڈھائی فی صد زکوٰۃ عائد کرنے کے بجاے زمین کی پیداوار کے حکم میں سمجھنا چاہیے اور ان سب کا عشر بطور زکوٰۃ وصول کرنا چاہیے۔ مصنف کے نزدیک جس طرح زراعت میں پیداوار کا ایک مستقل اور محفوظ ذریعہ، یعنی قابل کاشت زمین موجود ہوتا ہے جس پر سرمایہ اور محنت صرف کر کے آدمی پیداوار حاصل کر سکتا ہے، اسی طرح ضروری مشینری اور ساز و سامان کی فراہمی کے ساتھ ایک صنعت لگالی جائے تو وہ بھی زمین کی طرح ایک دیرپا اور مستقل ذریعۂ پیداوار کے طور پر موجود رہتی ہے جس سے سرمایہ اور محنت کی مدد سے پیداوار حاصل کی جاسکتی ہے۔ چونکہ دونوں کی نوعیت ایک جیسی ہے، اس لیے دونوں پر عائد کردہ زکوٰۃ کی شرح بھی ایک جیسی ہونی چاہیے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ڈاکٹر عرفان شہزاد

خاندانی منصوبہ بندی اور خدا کی رزاقیت

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خاندانی منصوبہ بندی

اولاد کی خواہش فطری امر ہے۔ تاہم اولاد پیدا کرنا دین کا کوئی حکم نہیں۔ یہ دین کا موضوع نہیں۔ دین کا موضوع تزکیۂ نفس ہے اور اولاد کے پیدا کرنے یا نہ کرنے کا تزکیۂ نفس سے کوئی تعلق نہیں، اس لیے قرآن مجید میں اس کے لیے کوئی نص بھی موجود نہیں۔ یہ فطرت کا ایک تقاضا ہے اور اس کے لیے بھی ایسے ہی منصوبہ بندی اختیار کرنی چاہیے، جیسے دیگر دنیاوی امور میں عقل عام کا رویہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ایک ارشاد سے، البتہ کثرت اولاد کا استدلال کیا جاتا ہے۔ روایت میں بیان ہوا کہ اس عورت سے شادی کرو جو زیادہ پیار کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو اور یہ کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی کثرت کی بنا پر دوسرے انبیا پر فخر کریں گے۔

یہ ارشاد محض زیادہ بچے پیدا کرنے کی ترغیب نہیں، بلکہ قابل فخر بچے پیدا کرنے کی تلقین ہے، اور قابل فخر بچے وہی ہو سکتے ہیں جن کی اچھی تعلیم و تربیت کرنا ممکن ہو۔ اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ ان کی تعداد والدین کے وسائل کے مطابق ہو۔

رسول اللہ کا ہر ارشاد دین کا مطالبہ نہیں ہوتا تھا۔ آپ بطور سربراہ ریاست انتظامی امور سے متعلق بھی ہدایات جاری کرتے تھے، جن کی نوعیت وقتی ہوتی تھی۔ کثرت اولاد سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو قبائلی دور کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے، جہاں افرادی قوت بقا کے لیے ناگزیر تھی۔ آج کی

حکومتیں جس طرح اپنے ملکی حالات کے تقاضوں کے پیش نظر لوگوں کو کم بچے پیدا کرنے کی ترغیب دیتی ہیں، اسی طرح حالات اگر تقاضا کریں تو آبادی بڑھانے کی ترغیب بھی دے سکتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبائلی تمدن میں کھڑے تھے، مسلمانوں کی مختصر تعداد اپنے سے کئی گنا بڑے دشمنوں سے برسرپیکار تھی، مستقبل میں روم و ایران سے جنگیں پیش آنا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں تھا، ادھر مال غنیمت اور خراج بھی مدینے میں وافر مقدار میں آنے لگے تھے، جس سے معاشی صورت حال بھی بہتر ہو رہی تھی۔ان حالات میں آبادی بڑھانے کی ترغیب مصلحتاً برمحل تھی۔ لیکن اسے ہر گھرانے، ہر دور اور ہر سماج کے حالات کے لیے ایک مطلق ہدایت، بلکہ دینی ہدایت سمجھ لینے کی کوئی وجہ نہیں۔

قرآن مجید اولاد اور کھیتی کا تقابل کر کے اس طرف رہنمائی کرتا ہے کہ اولاد ہو یا کھیتی اسے پیدا خدا ہی کرتا ہے، مگر اس کے لیے منصوبہ بندی کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ چنانچہ کھیتی کی طرح اولاد کو بھی پیدا کرنے سے پہلے وہ تمام منصوبہ بندی کرنی چاہیے جو ایک کسان فصل بونے سے پہلے کرتا ہے، آیات ملاحظہ کیجیے:

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ. ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ. (الواقعہ ۵۶: ۵۸-۵۹)

”پھر کبھی سوچا ہے، یہ نطفہ جو تم ٹپکاتے ہو، اُس سے جو کچھ بنتا ہے، اُسے تم بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں؟“

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ. ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ. (الواقعہ ۵۶: ۶۳-۶۴)

”پھر تم نے کبھی سوچا ہے، یہ جو کچھ تم بوتے ہو، اِسے تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں؟“

یہ دونوں عمل ایک ہی اصول پر مبنی ہیں کہ کوشش انسان کرتا ہے، باقی سب خدا کی قدرت کرتی ہے۔ خدا پر بھروسے کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ فصلیں اندھا دھند اگا لی جائیں اور پھر ناقص منصوبہ بندی کی نذر کر دی جائیں، اسی طرح اولاد کو بھی بغیر کسی منصوبہ بندی کے پیدا کر لینا ایک نامعقول عمل ہی کہلائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل سے نہیں روکا، جو منصوبہ بندی کی ایک تدبیر ہے۔ تاہم، صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں عزل کو ”واد خفي“ (خفیہ طور پر زندہ در گور) کہا گیا ہے، جس کے بارے میں قیامت کے دن سوال ہو گا:

ثُمَّ سَأَلُوهُ عَنِ الْعَزْلِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ذَلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ». زَادَ عُبَيْدُ اللهِ فِي حَدِيثِهِ:

”لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ واد خفی ہے۔عبیداللہ کی روایت میں

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

عَنِ الْمُقْرِئِ، وَهِيَ: ﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ﴾.

مقری سے یہ اضافہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہی ہے وہ موؤدہ ہے، قیامت میں جس کے بارے میں سوال ہوگا۔''

یہ روایت ان کثیر اور مستند روایات کے خلاف ہے جس میں عزل کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ عمل اگر غلط، جرم اور حرام ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت کبھی نہ دیتے۔ خوش قسمتی سے ترمذی کی ایک روایت اس تناقض کو حل کر دیتی ہے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّا كُنَّا نَعْزِلُ، فَزَعَمَتِ اليَهُودُ أَنَّهَا الْمَوْءُودَةُ الصُّغْرَى، فَقَالَ: «كَذَبَتِ اليَهُودُ، إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْلُقَهُ فَلَمْ يَمْنَعْهُ».

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یہود کہتے ہیں کہ عزل بھی ایک چھوٹی قسم کی موؤدہ (یعنی بچی کو زندہ در گور کرنا) ہے۔ اس پر حضور نے فرمایا: یہود جھوٹے ہیں۔ اگر اللہ کسی کو پیدا کرنا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح مسلم کی مذکورہ روایت میں جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی گئی ہے، وہ درحقیقت یہود کا خیال تھا جس کی تردید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی، مگر راوی کے تصرف نے تردید کو تصویب سے بدل دیا۔

خدا کی رزاقیت کا تصور

رزق میں صرف خوراک ہی نہیں، وہ تمام ضروریات زندگی شامل ہیں جن کے بغیر زندگی ممکن اور سہل نہیں ہوتی۔ خدا رازق ہے، مگر اس نے دنیا کو آزمایش کے اصول پر تخلیق کیا ہے۔ اس میں رزق کا معاملہ بھی آزمایش کے اصول پر مبنی ہے۔ یہ کوشش اور قسمت کے پیچیدہ تعامل پر مبنی ہے، جس میں خدا کی مدد جب مناسب ہو، شامل حال ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے تخلیق رزق کی ذمہ داری بتائی ہے، ترسیل رزق کی کوئی ضمانت نہیں دی۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں تخلیق رزق کی ذمہ داری کا بیان ہے، نہ کہ ترسیل رزق کی ذمہ داری کا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ط

''زمین پر چلنے والا کوئی جان دار نہیں ہے، جس کی روزی اللہ کے ذمے نہ ہو۔ اور وہ اُس کے ٹھکانے

كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ.(ہود ۱۱:۶)

کو بھی جانتا ہے اور اُس جگہ کو بھی جہاں وہ (مرنے کے بعد زمین کے) سپرد کیا جائے گا۔ یہ سب ایک کھلی کتاب میں درج ہے۔''

قرآن مجید کی جس آیت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترسیل رزق کے بھروسے پر بے دریغ اولاد پیدا کرنے کا استدلال کیا جاتا ہے، درحقیقت وہی آیت اس فہم کی نفی کرتی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا.(بنی اسرائیل ۱۷:۳۱)

''تم لوگ اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم اُنھیں بھی روزی دیتے ہیں اور تمھیں بھی۔ اُن کا قتل یقیناً بہت بڑا جرم ہے۔''

خدا کا یہ ارشاد ''ہم اُنھیں بھی روزی دیتے ہیں اور تمھیں بھی''، ان مفلس والدین کے بارے میں ہے جو اس قدر تنگ دست تھے کہ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو مفلسی کی وجہ سے قتل کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ پھر یہ والدین بھی کسی کی اولاد ہی تھے، جن کو بقدر ضرورت بھی رزق نہیں ملا۔

اس آیت سے یہ استدلال کسی طرح درست نہیں کہ والدین کو تو بقدر ضرورت رزق نہیں ملا، مگر اولاد ہو جانے کے بعد اب دونوں کو رزق ملے گا۔ آیت کا درست مفہوم یہ ہے کہ مفلسوں کے وہ بچے جو بغیر کسی منصوبہ بندی کے پیدا ہو گئے ہیں، اب انھیں مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کیا جائے۔ یہ ایک بڑا جرم ہے۔ جیسے کچھ روزی والدین کو ملتی ہے، انھیں بھی مل سکتی ہے۔ بہرصورت، ان کی قسمت کا فیصلہ اب قدرت پر چھوڑ دیا جائے۔

اولاد کی پیدایش کے بعد خدانخواستہ کوئی مصیبت آپڑے اور آدمی وسائل سے تہی ہو جائے تو الگ معاملہ ہے، لیکن اپنے وسائل کے مطابق بچے پیدا کرنے کی منصوبہ بندی انسان کے اختیار میں ہے۔ وسائل کی کمی میں مبتلا والدین اپنی مرضی سے پیدا کیے ہوئے بچوں کی پرورش میں اگر مشقتیں اٹھاتے اور تکلیفیں جھیلتے ہیں تو دوسری طرف ان کے بچے ان سے زیادہ اذیتیں برداشت کرتے ہیں۔ والدین نے تو یہ مشقتیں اپنے اختیار سے چنی ہوتی ہیں، مستقبل میں بہتری کی امید بھی انھیں ہو سکتی ہے، اگر کوئی امید نہ بھی ہو تب بھی ان کے خیال میں آخرت میں انھیں ان کی مشقتوں کا اجر مل سکتا ہے، لیکن بچے جو بغیر ان کی مرضی کے مفلس والدین کی تکلیفوں میں شامل کر لیے جاتے ہیں، ان کو اپنے دکھوں کا کوئی مداوہ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ ان والدین کا اپنا پیٹ کاٹ کر اولاد کو پالنا والدین کا احسان نہیں، اپنی عاقبت نااندیشی کی تلافی کی ناکافی کوشش ہے۔

چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائے جاتے ہیں۔ کفایت شعاری کا یہ اصول وسائل کی کم یابی کے سبب سے زندگی کے ہر معاملے میں برتنا عقل مندی سمجھا جاتا ہے، مگر یہی عقل مندی وسائل کے مطابق بچے پیدا کرنے یا نہ کرنے کے فیصلے میں کام میں لانا توکل کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اس رویے کی کوئی دینی بنیاد نہیں۔

قرآن مجید کی ہدایت ہے کہ اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ کم وسائل کے حامل کثیر العیال والدین اپنی اولاد کے قتل کے اسی جرم کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ مناسب خوراک اور علاج معالجہ کی عدم استطاعت سے جو بچے زندگی کی بازی ہار جاتے ہیں، وہ دراصل والدین کی نادانی کے مقتول ہوتے ہیں۔ یہ تسلیم کہ معاشی نظام منصفانہ اور ہمدردانہ نہیں، غربا کی بہبود کے ریاستی اقدامات تسلی بخش نہیں، مگر والدین کو اس پر کون مجبور کرتا ہے کہ اس استحصالی نظام میں وسائل سے زیادہ بچے پیدا کر لیں۔ نظام میں بہتری لانے کی قدرت اگر نہ ہو تو وسائل سے زیادہ بچے پیدا کر کے اس نظام کو ایندھن بھی کیوں مہیا کیا جائے؟ سستی مزدوری کے ذریعے سے استحصال کا امکان بھی اسی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ضرورت سے زیادہ افرادی قوت میسر ہوتی ہے، اس لیے ان کا استحصال کر کے انھیں کم تر مزدوری پر مجبور کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔

غربت کی چکی میں پسنے والے لاکھوں کروڑوں غریب بچوں میں سے چند ایک کی قسمت اگر چمک اٹھتی ہے تو اسے بطور مثال پیش کر دیا جاتا ہے کہ خدا چاہے تو یوں بھی ہو سکتا ہے، اس لیے بچے پیدا کرنے میں تردد نہیں کرنا چاہیے۔ جب کہ دوسری طرف دنیا کے عام معمول کے مطابق لاکھوں کروڑوں مفلس بچوں کے ہاں کوئی چمتکار نہیں ہوتا۔ وہ غربت کی چکی میں پستے رہ جاتے ہیں۔ ان سے عبرت کیوں نہ حاصل کی جائے؟ اسی طرح امیر سے غریب ہو جانے کے واقعات بھی موجود ہیں، ان سے برعکس استدلال کیوں نہ کیا جائے؟

حقیقت یہ ہے کہ منفرد اور غیر معمولی واقعات عمومی پیٹرن مہیا نہیں کرتے، افراد کی اکثریت کو عمومی حالات ہی پیش آتے ہیں۔

کسی بھی دوسری شے کے مقابل میں انسان سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی پیدایش کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی جائے۔ اس کے بعد خدا پر بھروسا کیا جائے۔ توکل کی حقیقت یہی ہے کہ وہ تدبیر کے بعد کیا جائے، نہ کہ اس سے پہلے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

مہاجرین حبشہ

(۱۶)

[''سیر و سوانح'' کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

حضرت عمرو بن امیہ اسدی رضی اللہ عنہ

حضرت عمرو کا قبیلہ

حضرت عمرو بن امیہ اسدی بنو اسد سے تعلق رکھتے تھے۔ قریش کا یہ بطن قریش اصغر قصی بن کلاب کے پوتے اسد بن عبدالعزیٰ کے نام سے موسوم ہے۔

بنو اسد بن عبدالعزیٰ سے تعلق رکھنے والے کئی نفوس قدسیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد اسی قبیلہ سے تھیں۔ حضرت خدیجہ کے چچیرے ورقہ بن نوفل نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی، لیکن ایمان لانے سے پہلے وفات پائی۔ مشہور روایات کے مطابق حضرت خدیجہ کے بھائی حزام بن خویلد مسلمان نہ ہوئے، تاہم ان کے بیٹے حضرت خالد بن حزام، حضرت حکیم بن حزام اور پوتے حضرت خالد بن حکیم اور حضرت ہشام بن حکیم آپ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ معروف صحابی حضرت زبیر بن عوام اسد بن عبدالعزیٰ کے پڑپوتے اور حضرت عبداللہ بن زبیر سکڑ پوتے تھے۔ بنو اسد کے حضرت اسود بن نوفل اور حضرت یزید بن زمعہ بھی اصحاب رسول

ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لانے والے حضرت ہبار بن اسود حضرت یزید کے چچا تھے۔

بنو اسد بن عبد العزیٰ کا نوفل بن خویلد کینہ پرور مشرک تھا۔ کافر اسے شیر قریش، جب کہ مسلمان شیطان قریش کے نام سے پکارتے تھے۔ جنگ بدر میں اسے قریش کی فوج میں دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ، میری طرف سے نوفل کا مقابلہ کر لے، چنانچہ حضرت علی کے ہاتھوں جہنم واصل ہوا۔ اسد بن عبد العزیٰ کا پڑ پوتا ابو البختری بن ہشام ایمان نہ لایا اور جنگ بدر میں حضرت مجذر بن زیاد کے ہاتھوں قتل ہوا، تاہم وہ کم زور مسلمانوں کو ایذائیں دینے والے بد بختوں کو منع کرتا رہا اور بنو ہاشم کا مقاطعہ ختم کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔

بنو اسد بن عبد العزیٰ کو بنو اسد بن خزیمہ سے ممیز کر لینا چاہیے، جو ایک مضری قبیلہ تھا۔ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش، حضرت عبد اللہ بن جحش، حضرت ابو احمد بن جحش، حضرت عکاشہ بن محصن اور حضرت ضرار بن ازور اس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کنبہ

حضرت عمرو بن امیہ مکہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا کا نام حارث بن اسد تھا۔ بنو تیم کی زینب بنت خالد (: ابن اثیر۔ عاتکہ بنت خالد: ابن سعد) ان کی والدہ تھیں۔ مجمع قریش قصی بن کلاب کے بیٹے عبد العزیٰ حضرت عمرو کے سکڑ دادا تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قصی کے دوسرے بیٹے عبد مناف (اصل نام: مغیرہ) کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کی والدہ سیدہ آمنہ بنت وہب اسد بن عبد العزیٰ کی بہن برہ بنت عبد العزیٰ کی بیٹی تھیں۔

قریش کی شاخ بنو اسد سے تعلق رکھنے کی بنا پر حضرت عمرو بن امیہ قرشی، اسدی کہلاتے ہیں۔ نسبت بیان کرنے سے وہ اپنے ہم نام صحابی حضرت عمرو بن امیہ ضمری سے ممیز ہو جاتے ہیں۔

دخول اسلام

حضرت امیہ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی دنوں میں نور ایمان سے منور ہوئے۔

حبشہ کی طرف ہجرت

قریش کی مار پیٹ اور ایذاؤں کا سلسلہ بڑھ گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان سے فرمایا: بہتر ہوا گر تم

حبشہ کی سرزمین چلے جاؤ، جہاں ایسا بادشاہ حکمران ہے جس کی بادشاہی میں ظلم نہیں۔ رجب ۵/ نبوی میں آپ کے حکم پر گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حبشہ کو ہجرت کی۔ پھر حضرت جعفر بن ابو طالب اسی افراد کا قافلہ لے کر حبشہ روانہ ہوئے۔ حضرت عمرو بن امیہ اسدی ہجرت ثانیہ کے اسی قافلے کا حصہ تھے۔ بنو اسد بن عبدالعزیٰ کے حضرت زبیر بن عوام پہلے قافلے میں شامل ہوئے، جب کہ اس قبیلے کے حضرت اسود بن نوفل اور حضرت یزید بن زمعہ حضرت عمرو بن امیہ کے رفیق سفر تھے۔ خویلد بن اسود کے پوتے حضرت خالد بن حزام نے بھی حبشہ ہجرت کی، لیکن حبشہ پہنچنے سے پہلے ہی انھیں سانپ نے ڈس لیا اور ان کی وفات ہو گئی۔

حبشہ میں داخل ہونے کے بعد مہاجرین ملک میں پھیل گئے۔ ان میں سے زیادہ تر موجودہ ادیس ابابا سے سات سو نوے کلو میٹر دور واقع نجاش (Negash) کے قصبے میں مقیم رہے۔

وفات

تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ نے حبشہ میں وفات پائی۔

قیام حبشہ کے دوران میں نو صحابہ اور پانچ صحابیات نے انتقال کیا۔ عبید اللہ بن جحش کو اس لیے شمار نہیں کیا گیا، کیونکہ انھوں نے نصرانی ہو کر وفات پائی۔ مسجد نجاشی کے عقب میں شارع صحابہ پر واقع احاطے میں پندرہ قبریں اب بھی موجود ہیں۔ ان میں سے حضرت فاطمہ بنت صفوان، حضرت عدی بن نضلہ، حضرت حاطب بن حارث، حضرت حطاب بن حارث، حضرت عبداللہ بن حارث، حضرت سفیان بن معمر، حضرت عروہ بن عبدالعزیٰ اور حضرت مطلب بن ازہر کی قبروں کی شناخت ممکن ہے۔

عائلی زندگی

حضرت عمرو بن امیہ اکیلے حبشہ گئے۔ ان کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، جمہرۃ انساب العرب (ابن حزم)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، Wikipedia۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

حضرت عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حسب و نسب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سترھویں جد مضر بن نزار حضرت اسمٰعیل کے بیٹے قیدار کی اولاد میں سے تھے۔ان کے پردادا عدنان بن ادد قیدار کے پوتے تھے۔ مضر بہت خوش الحان تھے، دوران سفر میں اونٹوں کو مستعد کرنے کے لیے حدی خوانی انھوں نے شروع کی۔ الیاس اور قیس عیلان مضر کے دو بیٹے تھے۔ الیاس کو حکیم لقمان کی طرح دانا سمجھا جاتا تھا۔ الیاس کے تین بیٹے مدرکہ (عامر)، طابخہ (عمرو) اور قمعہ (عمیر) ہوئے۔ مدرکہ بن الیاس کے دو بیٹے خزیمہ اور ہذیل ہوئے اور ان کی اولاد بنو خزیمہ اور بنو ہذیل کہلائی۔ بنو اسد، بنو کنانہ اور قریش بھی مدرکہ کی اولاد میں ہوئے۔

حضرت عتبہ بن مسعود مکہ میں پیدا ہوئے۔ غافل بن حبیب ان کے دادا تھے۔ بانی قبیلہ ہذیل بن مدرکہ ان کے بارھویں جد تھے۔ اپنے قبیلہ بنو ہذیل کی نسبت سے ہذلی کہلاتے ہیں۔ بنو ہذیل کی حضرت ام عبد بنت عبد ود ان کی والدہ، جب کہ بنو کلاب کی ہند بنت عبد نانی تھیں۔ حضرت عتبہ کے والد مسعود بن غافل زمانۂ جاہلیت میں بنو زہرہ کے عبد اللہ بن حارث کے حلیف بن گئے تھے۔ مدرکہ بن الیاس پر حضرت عتبہ کا سلسلۂ نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ سے جا ملتا ہے، مدرکہ حضرت عتبہ کے تیرھویں اور آپ کے سولھویں جد تھے۔

ابو عبد اللہ (ابو عون: بلاذری) حضرت عتبہ بن مسعود کی کنیت تھی۔

نام ور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت عتبہ کے سگے بھائی تھے۔ شاذ روایت کے مطابق حضرت عتبہ کی والدہ حضرت ام عبد نہیں، بلکہ بنو ہذیل کی کوئی اور عورت تھیں، اس طرح وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے سگے بھائی نہ ہوئے۔ عبید اللہ بن عبد اللہ اور عون بن عبد اللہ حضرت عتبہ کے پوتے تھے۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے علم فقہ میں مہارت حاصل کی اور مدینہ کے فقہاے سبعہ میں شمار ہو کر شہرت پائی۔ سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، خارجہ بن زید، عبید اللہ بن عبد اللہ، سلیمان بن یسار اور ابو بکر بن عبد الرحمٰن بڑی فضیلت رکھنے والے تابعین تھے، مدینہ کے ان سات فقہا کے ذریعے سے فتوے اور فقہ کا علم پھیلا۔ عون بن عبد اللہ شاعر تھے۔

ایمان و اسلام

حضرت عتبہ آفتاب اسلام کی پہلی کرنوں سے منور ہوئے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہجرت حبشہ

کفار مکہ کا نو وارد ان اسلام پر ظلم و ستم بڑھا تو حضرت عتبہ نے اپنے بھائی حضرت عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی۔

مدینہ آمد

حضرت عتبہ بن مسود جنگ بدر کے بعد مدینہ آئے۔ ابن اسحٰق اور ابن ہشام نے ان کا زمانۂ ورود ۷ھ بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عتبہ بن مسعود حضرت جعفر بن ابو طالب اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری کے قافلے میں شامل ہوئے اور غزوۂ خیبر کے فوراً بعد مدینہ پہنچے۔

غزوات میں شرکت

حضرت عتبہ بن مسعود نے جنگ خیبر کے بعد ہونے والے معرکوں میں شرکت کی، اگرچہ کتب تاریخ میں اس کی تفصیل ذکر نہیں کی گئی۔ حیرت کی بات ہے کہ امام بخاری نے اہل بدر کا شمار کرتے ہوئے حضرت عتبہ بن مسعود کا نام ان کے بھائی حضرت عبد اللہ بن مسعود کے نام سے متصل درج کیا ہے، حالاں کہ وہ مدینہ میں موجود ہی نہ تھے۔ ابن حجر کہتے ہیں: مغازی کا بیان کرنے والے کسی مصنف نے بدری اصحاب رسول میں حضرت عتبہ بن مسعود کا نام نہیں لیا۔ خود بخاری کے دوسرے نسخے میں جو نسفی نے مرتب کیا، ان کا نام شامل نہیں۔ ابو نعیم احمد اصفہانی اور ابو بکر اسمٰعیلی نے صحیح بخاری سے ماخوذ اپنی اپنی ''المستخرج علی الصحیح'' میں حضرت عتبہ کا نام ذکر نہیں کیا (فتح الباری ۵/ ۱۸۳)۔ قاضی سلیمان منصور پوری نے بھی 'اصحاب بدر' میں ان کا نام نہیں لکھا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ حضرت عتبہ نے حبشہ سے لوٹ کر غزوۂ احد میں حصہ لیا۔ ابن اسحٰق کی ۷ھ والی روایت کو صحیح مان لیا جائے تو یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے۔ ابن کثیر نے حضرت عتبہ بن مسعود کی مدینہ آمد ۷ھ میں بتائی اور یہ بھی کہہ دیا کہ وہ جنگ احد میں شریک ہوئے۔

عہد فاروقی

خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق نے حضرت عتبہ کے بیٹے حضرت عبد اللہ کو مدینہ کے بازار کا محصل (کلکٹر) مقرر کیا (موطا امام مالک، رقم ۸۰۹۔ جامع الاصول، ابن اثیر، رقم ۱۱۵۷)۔

وفات

حضرت عتبہ بن مسعود نے حضرت عمر بن خطاب کے عہد خلافت میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ حضرت عمر نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عمر نے حضرت عبد اللہ بن مسعود (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۱۲۳۰۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۱۷۰۳) یا ان کی والدہ حضرت ام عبد (ابن سعد ۳/ ۸۸۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۲۰۹۳۴۔ مستدرک حاکم، رقم ۵۱۲۲) کی آمد کا انتظار کیا۔ ان کی والدہ حضرت ام عبد پہلے آ گئیں اور انھوں نے نماز جنازہ میں شرکت کر لی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود پہنچے تو شدت غم کا اظہار کیا (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۵۰۱۵) اور رونے لگے، کسی نے کہا: آپ بھی روتے ہیں؟ فرمایا: یہ آنسو اللہ کی دی ہوئی رحمت ہیں، ابن آدم ان کو روک نہیں سکتا۔ میرا نسبی بھائی اور میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے والا صحابی فوت ہو گیا ہے۔ وہ مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھے، سوائے اس کے جو محبت عمر بن خطاب سے رہی (مستدرک حاکم، رقم ۵۱۲۱۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۳۷۸۴)۔

قاسم بن عبد الرحمٰن کی روایت کے مطابق حضرت عتبہ بن مسعود نے ۴۴ھ میں، عہد معاویہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود کے انتقال کے بعد وفات پائی (المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۳۷۸۰)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

روایت حدیث

زہری کہتے ہیں: ہمارے نزدیک حضرت عبد اللہ بن مسعود اپنے بھائی حضرت عتبہ سے صحبت و ہجرت اور فقاہت میں برتر نہ تھے، لیکن حضرت عتبہ جلد فوت ہو گئے (مستدرک حاکم، رقم ۵۱۲۳۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۳۷۸۱)۔ ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ بن عتبہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ حضرت عتبہ بن مسعود سے براہ راست کوئی حدیث نقل نہیں ہوئی۔ حضرت عبد اللہ بن عتبہ کے بیٹوں عبید اللہ، عون اور حمزہ نے اپنے والد حضرت عبد اللہ کے علاوہ حضرت عمر، حضرت زید بن خالد جہنی، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت ابو واقد لیثی، حضرت عائشہ، حضرت ام قیس بن محصن، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابو مسعود انصاری، حضرت ابو سعید خدری، حضرت سہل بن حنیف، حضرت عبد اللہ بن زمعہ اور حضرت عثمان بن حنیف سے کئی روایات منتقل کی ہیں، لیکن اپنے دادا حضرت عتبہ بن مسعود سے بہ طریق عنعنہ (عن أبیه عن جده) دو روایتوں کے علاوہ کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ ان روایتوں کے تمام طرق کا تتبع کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ 'عن جده' سے جد حضرت عتبہ کے بجائے برادر جد حضرت عبد اللہ

بن مسعود مراد ہیں۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن اسحٰق)، السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، معرفۃ الصحابۃ (ابونعیم اصفہانی)، جمل من انساب الاشراف (بلاذری)، جمہرۃ انساب العرب (ابن حزم)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، سیر اعلام النبلاء (ذہبی)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، Wikipedia۔

حضرت حارث بن خالد رضی اللہ عنہ

سلسلۂ نسب

حضرت حارث بن خالد کے دادا کا نام صخر بن عامر (عمرو: بلاذری۔ عامر بن عمرو: ابن ہشام) تھا۔ ابو قبیلہ تیم بن مرہ ان کے چھٹے جد تھے۔

تیم بن مرہ عربوں کے مشہور معاہدۂ امن 'حلف الفضول' میں شریک تھے، جو بعثت نبوی سے بیس برس قبل ۵۹۰ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبد المطلب کی دعوت پر قریش کے متمول سردار عبداللہ بن جدعان تیمی کے گھر پر ہوا۔ تب قریش کے قبائل بنو ہاشم، بنو المطلب، بنو اسد، بنو تیم اور بنو زہرہ کے سردار جمع ہوئے اور مل کر عہد کیا کہ ہم مظلوموں کا ساتھ دیں گے، خواہ وہ کسی قبیلے کے ہوں، امن وامان قائم کریں گے، مسافروں کی حفاظت کریں گے، غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے، کسی ظالم یا غاصب کو مکہ میں نہیں رہنے دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ اس میں حصہ لیا۔ آپ زمانۂ رسالت میں بھی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے کہ اس معاہدے کے عوض مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیے جاتے تو میں نہ لیتا۔

حضرت حارث کی والدہ یمن سے تھیں۔ ان کی اہلیہ حضرت ریطہ بنت حارث بھی بنو تیم سے تعلق رکھتی تھیں، عامر بن کعب پر ان کا شجرہ حضرت حارث کے شجرے سے جا ملتا ہے۔ حضرت ابو بکر حضرت حارث کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کی والدہ کا نام حضرت ام الخیر سلمیٰ بنت صخر تھا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قبول اسلام

وادی بطحا میں نور اسلام پھیلا تو حضرت حارث بن خالد اس سے منور ہونے والے اولیں اہل ایمان میں شامل ہوئے۔

ہجرت حبشہ

۵/ نبوی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر حضرت حارث بن خالد حضرت جعفر بن ابو طالب کی قیادت میں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے دوسرے قافلے میں شامل ہوئے۔ ان کی اہلیہ حضرت ریطہ بنت حارث ان کے ساتھ عازم حبشہ ہوئیں۔ وہ حبشہ ہی میں انتقال کر گئیں۔

حبشہ سے واپسی

حضرت حارث بن خالد ۷ھ میں شاہ حبشہ نجاشی کی فراہم کردہ کشتیوں میں حضرت جعفر بن ابو طالب کے قافلۂ رجوع میں شامل ہو کر بولا (الرایس) کے ساحل پر اترے اور وہاں سے اونٹوں پر سفر کر کے مدینہ پہنچے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

مدنی زندگی

حضرت حارث کی مدنی زندگی اور غزوات میں ان کی شرکت کے بارے میں معلومات ہمیں میسر نہیں ہوئیں۔

اولاد

قیام حبشہ کے دوران میں حضرت حارث بن خالد کے ہاں چار بچے ہوئے: موسیٰ، عائشہ، زینب اور فاطمہ۔ یہ چاروں حبشہ ہی میں انتقال کر گئے۔ دوسری روایت کے مطابق حبشہ سے مدینہ واپسی کے سفر میں ایک گھاٹ پر کنبے نے پانی پیا جو زہر آلود تھا۔ بس بھرے پانی نے تمام بچوں کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ خود حضرت حارث بچ گئے اور راہ خدا میں پورے گھر کو سپرد خاک کر کے یکہ و تنہا مدینہ چلے آئے۔ ابن سعد کہتے ہیں: موسیٰ کا انتقال حبشہ میں ہوا، حضرت ریطہ، عائشہ اور زینب کی وفات زہریلا پانی پینے سے ہوئی اور فاطمہ کی زندگی بچ گئی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کی دل جوئی کی اور عبد یزید بن ہاشم کی لڑکی سے ان کی شادی کر دی۔ عبد یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے جد عبد مناف بن قصی کے پڑپوتے تھے، اس طرح

رشتے میں آپ کے چچا ہوئے۔ عبد یزید ان کا نام ہے، اس کا ترجمہ 'یزید کا غلام' کرنا غلط ہے۔ یہی عبد یزید امام شافعی کی ساتویں پشت تھے۔ حضرت حارث کے ایک بیٹے ابراہیم کا ذکر کیا گیا ہے جو شاید ان کی دوسری بیوی سے تھے، مدینہ کے محدث اور فقیہ محمد بن ابراہیم تیمی انھی کے بیٹے تھے، حفصہ بنت یحییٰ کو محمد کی والدہ بتایا گیا ہے۔ ابن عبد البر نے حضرت ریطہ سے حضرت حارث کی چار اولادوں میں زینب کے بجاے ابراہیم کا نام شامل کیا ہے۔ محمد بن ابراہیم کو دین سیکھنے کا اتنا شوق تھا کہ مسجد نبوی میں بیٹھے رہتے اور حضرت عبد اللہ بن عمر کا طریقۂ نماز تکتے رہتے (التاریخ الکبیر ۱/۲۳)۔ اس انہماک کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سالم اور نافع کے پایہ کے عالم ہو گئے۔ انھوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے بھی ملاقات کی اور متعدد صحابہ کی روایات نقل کیں۔

وفات

حضرت حارث بن خالد کا سن وفات معلوم نہیں۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، جمل من انساب الاشراف (بلاذری)، معرفۃ الصحابۃ (ابو نعیم اصفہانی)، جمہرۃ انساب العرب (ابن حزم)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، Wikipedia۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmedghamidi.com

محمد ذکوان ندوی

تصور امت یا تصور مسلک

آج سفر کے دوران میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو اپنا تعارف پیش کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ میرا ''مسلک'' فلاں ہے اور میں اپنے مسلک کو ثابت کرنے کے لیے لوگوں کو کھلے طور پر ''مناظرے'' کی دعوت دے رہا ہوں۔ میں نے کہا: کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہم یہ دیکھیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 'امت' کا تصور دیا ہے یا 'مسلک' کا؟ وہ ایک سنجیدہ آدمی تھے۔ چنانچہ قدرے خاموشی کے بعد انھوں نے فرمایا: ہم نے اِس طرح سوچا نہیں تھا، مگر اب غور کرنے سے معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مسلک کا نہیں، بلکہ امت کا تصور دیا ہے۔

واقعات بتاتے ہیں کہ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان پر آخر وقت تک جو کلمہ جاری رہا، وہ 'امت' جیسا ابدی اور وسیع تصور تھا، نہ کہ معروف معنوں میں 'مسلک' جیسا محدود اور گروہی تصور۔ اِس پیغمبرانہ تصور امت کے مطابق پوری انسانی دنیا ایک عظیم برادری کی حیثیت رکھتی ہے۔

قرآن کے مطابق، اللہ رب العٰلمین (الفاتحہ ۱: ۱) ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعٰلمین (الانبیاء ۲۱: ۱۰۷) ہیں۔ ایسی حالت میں اصل بات یہ ہے کہ اللہ پوری انسانیت کا خالق اور مالک ہے اور اُس کا رسول پوری انسانیت کا پیغمبر۔ حقیقت یہ ہے کہ نفرت و تفریق اور احساس برتری پر قائم موجودہ قسم کے متعصبانہ ''مسلک'' کا تصور اللہ اور رسول کے ہاں سرتاسر اجنبی ہے۔ اللہ کے رسول نے محبت اور اتحاد پر مبنی ''امت'' کا تصور دیا ہے، نہ کہ معروف قسم کے کسی ''مسلک'' کا تصور۔

تاریخ کا تجربہ ہے کہ مسلک کا یہ تصور عملاً وحدت واخوت کے بجائے نفرت اور انتشار کا ذریعہ ثابت ہوا ہے۔

یہ تصور ہم کو صرف ایک محدود قسم کا متعصبانہ گروہ بنا دیتا ہے، جب کہ امت کا تصور ہمارے اندر ایک وسیع تر عالمی برادری کا احساس پیدا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس قسم کا کوئی گروہ محض ایک گروہ کی حیثیت سے کبھی 'حق' کا نمایندہ نہیں ہوتا، یہ صرف افراد ہیں جو عملاً حق پرستی کا ثبوت دے کر نمایندۂ حق کے عظیم مقام پر فائز ہونے کی سعادت سے ہم کنار ہوا کرتے ہیں۔

مناظرہ یا جدال احسن

یہی معروف قسم کے مناظروں کا حال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناظرے کے بجاے ہمیشہ جدال احسن (النحل ۱۶: ۱۲۵) کا طریقہ اختیار فرمایا ہے، یعنی حریفانہ نفسیات کے بجاے داعیانہ مزاج کے تحت سنجیدہ علمی اور برتر انسانی اسلوب میں باہم گفت و شنید اور ڈائیلاگ کا طریقہ اختیار کرنا۔ مناظرے کا روایتی طریقہ اگرچہ ''احقاق حق'' کے خوب صورت عنوان کے تحت اختیار کیا جاتا ہے، مگر اِس قسم کے مناظرے کے متعلق یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ وہ اکثر حق کے بجاے ناحق اور موحدانہ امت کے بجاے متعصبانہ مسلک کو فروغ دینے کا ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ اِس اعتبار سے یہ کہنا درست ہو گا کہ معروف 'مذہبی' مناظرہ اور پیغمبرانہ جدال احسن کے درمیان وہی فرق ہے جو خود حق اور باطل کے درمیان پایا جاتا ہے۔ ڈائیلاگ کے دور میں مناظرے جیسا فرسودہ اور غیر علمی طریقہ اختیار کرنا صرف اِس بات کا ثبوت ہو گا کہ دینی اور زمانی بصیرت، دونوں اعتبار سے، ہم فکری افلاس کی اُس انتہائی حد پر پہنچ چکے ہیں جس کے بعد ذلت و اِدبار کے سوا ہمارے لیے اور کوئی انجام مقدر نہیں۔

امت کا وسیع تصور

امت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اِس حقیقت کو یاد رکھنا چاہیے کہ امت سے مراد معروف معنوں میں صرف موجودہ مسلم گروہ نہیں، بلکہ قیامت تک آنے والے تمام مرد و عورت اِس میں شامل ہیں، یعنی بعثت محمدی سے لے کر قیامت تک، آپ کے دور رسالت میں پیدا ہونے والے تمام انسان، پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا حصہ ہیں؛ اِس فرق کے ساتھ کہ انسانیت کا ایک گروہ اگر 'امت دعوت' ہے تو اُس کا دوسرا گروہ 'امت اجابت' کی حیثیت رکھتا ہے۔

رب العٰلمین، رحمۃ للعٰلمین

بلا تشبیہ، خدا اور رسول کا معاملہ بھی یہی ہے۔ خدا اور اُس کا رسول نہ کسی مسلک کے نمایندے ہیں، نہ کسی

مشرب کے نمایندے، یعنی وہ نہ سلفی ہیں اور نہ غیر سلفی؛ وہ نہ سنی ہیں اور نہ غیر سنی، وغیرہ۔ خدا رب ہے، اور محض رب نہیں، بلکہ رب العٰلمین ہے، یعنی تمام انسانوں اور تمام جہانوں کا پروردگار۔ اِسی طرح اُس کا رسول صرف کسی مخصوص گروہ کا رسول نہیں، بلکہ وہ رحمۃ للعٰلمین ہے۔ چنانچہ اپنے بندوں سے خدا کا یہی مطالبہ ہے کہ وہ ربانی انسان (آل عمران ۳: ۷۹) بن کر رہیں اور اِس طرح وہ خدائی اخلاقیات کا زندہ نمونہ ثابت ہوں۔ وہ خدا کے شاکر اور انسانوں کے سچے ہم درد بن کر زندگی گزاریں۔ اِسی مقصد کے تحت خدا نے اپنے پیغمبر کو 'خلق عظیم' (القلم ۶۸: ۴) کا بہترین نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

پیغمبرانہ تعلیمات اور اخلاق کی اِس میزان اور فرقان پر جو شخص یا گروہ اپنے آپ کو قائم رکھے، وہی پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا امتی قرار پائے گا، اور رب العٰلمین کے ایسے ہی بندوں اور رحمۃ للعٰلمین کے ایسے ہی امتیوں کے لیے اِس دنیا میں پاکیزگی، قلبی آسودگی اور سکینت سے بھرپور زندگی (حیات طیبہ)، نیز آخرت میں خدا کی خوشنودی اور ابدی جنت کا یقینی وعدہ کیا گیا ہے۔

(مجیب منزل، کرنیل گنج، گونڈہ، یوپی، ۳/ نومبر ۲۰۲۲ء)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خورشید احمد ندیم

اخلاقی پیمانے

کیا اخلاقیات کا تعلق صرف مالی امور کے ساتھ ہے؟ کرپٹ کیا وہی ہوتا ہے جو مالیاتی معاملات میں بدعنوانی کا مرتکب ہو؟ کیا اخلاقیات کا تصور جنسی رویے تک محدود ہے؟

ہمارے اخلاقی تصورات، فی الجملہ ہمارے شخصی اور گروہی مفادات کے اسیر ہیں۔ اخلاقیات کی فلسفیانہ بحث سے بھی ان کا کوئی تعلق نہیں۔ کسی مکانی قید کے ساتھ بھی ان کو بیان نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یہ مشرقی اخلاقیات ہیں یا مغربی۔ ہم زندگی کے ہر اس مسئلے کو اخلاقیات کے دائرے سے خارج کر دیتے ہیں جس سے ہماری ذات متاثر ہوتی ہو یا ہمارے مفادات۔

میں حیرت میں ڈوب جاتا ہوں جب میں اخلاقیات کے اُن علم برداروں کی تحریریں پڑھتا ہوں جن کا وطیرہ ہی یہ ہے کہ کبھی لوگوں کی چارپائی کے نیچے گھس کر اور کبھی کسی ٹی وی اشتہار میں، دوربین لگا کر فحاشی کے مظاہر تلاش کرتے ہیں۔ کبھی کسی فلم کو فحش قرار دے کر اس کے خلاف مہم چلاتے ہیں۔ جب ان کی اپنی ممدوح شخصیت، فحاشی کی اُس تعریف کی زد میں آتی ہے جو اُن کے اپنے فکری ٹکسال میں ڈھلی ہوتی ہے تو اس کی تاویلیں پیش کرتے ہیں۔ پھر انھیں زمین ہلتی دکھائی دیتی ہے، نہ آسمان گرتا نظر آتا ہے۔ کائنات کا یہ نظم، ان کے خیال میں قائم نہیں رہنا چاہیے، جب معاملہ کسی دوسری شخصیت سے متعلق ہو۔

اخلاقیات کی فلسفیانہ بحث کیا ہے؟ ایک موقف یہ ہے کہ اخلاقیات ایک خاص سماجی پس منظر میں جنم لیتے اور موضوعی (subjective) ہوتے ہیں۔ اخلاقیات پر زمان و مکان کی قید بھی اسی فلسفے کی فرع ہے، جیسے مشرقی اخلاقیات، مغربی اخلاقیات۔ پاکستان میں ایک محدود طبقہ ایسا ہے جسے ہم لبرل کہتے ہیں، وہ اخلاقیات کو

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اسی نظر سے دیکھتا ہے۔ دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اخلاقی اصول عالم گیر اور معروضی (objective) ہوتے ہیں۔ الہامی مذاہب اس کے علم بردار ہیں۔

لبرل اخلاقیات میں فرد کی شخصی آزادی بنیادی قدر ہے۔ اگر یہ آزادی دوسرے کے لیے جبر یا ظلم کا باعث نہیں بنتی تو اس پر کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی۔ اس کا سب سے اہم اور متنازعہ اطلاق جنسی تعلقات پر کیا جاتا ہے۔ اگر دو افراد ایسا تعلق رکھنا چاہتے ہیں تو اس پر معاشرہ کوئی قدغن لگا سکتا ہے، نہ ریاست۔ یہ دو افراد، مرد اور عورت، دونوں مرد یا دونوں عورتیں ہو سکتی ہیں۔

تاہم، لبرل اخلاقیات میں بھی اخلاقیات کا دہرا پیمانہ قابل قبول نہیں۔ ایک شخص اخلاقیات کے جس تصور کا مبلغ ہے، اگر اس پر عامل نہیں ہے تو اس کی یہ تبلیغ قابل قبول نہیں، بالخصوص اس وقت جب وہ کسی قائدانہ منصب پر فائز ہو۔ مثال کے طور پر اگر وہ سماجی سطح پر آزادانہ جنسی تعلقات کو جائز سمجھتا اور پھر خود اس پر عمل پیرا ہے تو لبرل اخلاقیات میں اس رویے پر کوئی 'اخلاقی' اعتراض وارد نہیں ہوتا، لیکن اگر ایک فرد سماج میں مذہبی اخلاقیات کا پرچار کرتا ہے جس میں نکاح ہی جنسی تعلق کا واحد راستہ ہے اور نجی زندگی میں اس کے برخلاف رویہ اپنائے ہوئے ہے تو یہ لبرل اخلاقیات میں بھی قابل قبول نہیں۔

مذہب کے اخلاقی تصورات جوہری طور پر لبرل تصورات سے مختلف ہیں۔ مذہب انسان کی مطلق آزادی کا قائل نہیں۔ وہ اسے ان خلاقی اقدار کا پابند بناتا ہے جن کا احساس اس کی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے اور اللہ کے پیغمبر جن کی یاد دہانی کراتے رہے ہیں۔ ان میں ذاتی اور سماجی یا جنسی اور مالیاتی اخلاقیات کی تقسیم نہیں۔ تاہم مذہب ان تصورات کو جبراً انسان پر نافذ نہیں کرتا، الّا یہ کہ اخلاقیات سے اس کا انحراف سماجی ڈھانچے کو خطرات سے دوچار کر دے۔ اس کے لیے وہ ریاست کو تعزیری اقدام کا حق دیتا ہے۔ یہ کام دنیا کی ہر ریاست اپنے اپنے اخلاقی نظام کی بقا کے لیے کرتی آئی ہے۔

ہم کس اخلاقی نظام کو مانتے ہیں، مذہبی یا اخلاقی؟ ہمارا ایک اقلیتی گروہ لبرل اخلاقیات کو مانتا ہے اور ایک مذہبی اخلاقیات کو۔ اکثریت اخلاقیات کے ایک خود ساختہ نظام کو مانتی ہے۔ یہ سیاست ہو یا نجی معاملات، ہمارے اپنے اخلاقی تصورات ہیں جو ہم نے اپنا رکھے ہیں اور ان کا تعین ہمارا ضمیر یا فلسفۂ اخلاق نہیں، بلکہ ہمارے مفادات اور تعصبات کرتے ہیں۔ ہمارا پورا سماج اس کا گواہ ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اخلاقیات کا دائرہ مالی امور تک محدود ہے۔ غیر مالیاتی یا جنسی تعلقات میں کوئی کیا

کرتا ہے، یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے؛ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر وہ لیڈر ہے تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ روپے پیسے کے معاملے میں کرپٹ ہے یا نہیں۔ ان کے سامنے اگر لیڈر کی کوئی ایسی بات آئے جو غیر مالی امور میں اسے کرپٹ ثابت کرتی ہو تو یہ بات ان کے لیے اہم نہیں ہوتی۔

ایک گروہ وہ ہے جو سمجھتا ہے کہ اصل اخلاق تو جنسی ہیں۔ ایک آدمی کاروبار اور سیاست میں اگر کرپشن اور مالیاتی بے قاعدگی کی شہرت رکھتا ہے، لیکن ذاتی طور پر 'مذہبی' ہے؛ نماز پڑھتا دکھائی دیتا ہے؛ روزے رکھتا ہے؛ گھر کا ماحول روایتی ہے؛ رشتوں کا احترام ہے؛ جنسی معاملات میں اس کی شہرت پلے بوائے کی نہیں ہے تو اس کو 'اخلاقی' طور پر بہتر آدمی سمجھا جاتا ہے۔ اس کی مالیاتی کرپشن یا قانون کی پامالی، انھیں پریشان نہیں کرتی۔ ایسے افراد کو لیڈر ماننے میں بھی انھیں کچھ مانع نہیں ہوتا۔

یہ رویے اخلاقی ابہام کا اظہار ہیں۔ ان کا محرک دراصل شخصی مفادات اور تعصبات ہیں۔ ہم اگر اپنے اندر جھانکیں تو بہت آسانی سے جان سکتے ہیں کہ ہمارے خیالات کو کہاں سے تحریک مل رہی ہے؟ ہم اپنے ان رویوں کے لیے دلائل تلاش کرتے ہیں اور ان پر مطمئن ہو جانا چاہتے ہیں۔ ایک معروف لیڈر کے بارے میں جب یہ خبر پھیلی کہ وہ شراب پیتے ہیں تو انھوں نے فرمایا: 'شراب پیتا ہوں، غریبوں کا خون تو نہیں پیتا'۔ یہ دلیل ان کے متاثرین کے اطمینان کے لیے کافی تھی۔

ہم میں سے کوئی مثالی نہیں، مگر ہمیں اس کا احساس ہمیشہ رہنا چاہیے کہ ہمیں اخلاقی طور پر خیر کی طرف بڑھنا ہے۔ اس کے لیے پہلی منزل اخلاقی تصورات کا ابہام سے پاک ہونا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ہم ان پر پوری طرح عمل نہ کر سکیں، لیکن ہم پر یہ واضح ہونا چاہیے کہ کیا چیز اخلاقی ہے اور کیا غیر اخلاقی۔ اس کا ایک پیمانہ یہ ہے کہ جسے میں اپنے لیے روا رکھتا ہوں، کیا اسے دوسروں کے لیے بھی جائز سمجھتا ہوں؟ جو میرے لیے اخلاقاً درست ہے، کیا میری بیوی کے لیے بھی درست ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ وہ شخص برباد ہوا جس کا آج اس کے گزرے کل سے بہتر نہیں۔ یہ اخلاقی ارتقا کا درس ہے۔ ہم اپنے اخلاقی تصورات کو کسی مفاد، محبت، نفرت، تعصب یا ردعمل کا یرغمال نہیں بنا سکتے۔ یہ ممکن ہے کہ آج کوئی جذبہ ہم پر غالب آجائے، لیکن کم از کم اس بارے میں متنبہ رہنا ضروری ہے۔

آج بعض لیڈروں کی نجی سرگرمیاں زیر بحث ہیں، جو خفیہ ذرائع سامنے لا رہے ہیں۔ کسی کا خیال یہ ہے کہ اصل مجرم وہ ہیں جو ایسی ریکارڈنگ کرتے ہیں۔ انھیں اس سے بحث نہیں کہ جس کے بارے میں جو سامنے لایا

گیا ہے، اس کی اخلاقی ساکھ اب کیا رہی ہے۔ کچھ اس سوال سے صرف نظر کر رہے ہیں کہ جو لوگوں کی نجی زندگی میں جھانکتے ہیں، انھیں یہ حق کس قانون اور اخلاق کے تحت حاصل ہے؟ ان کی ساری توجہ 'سرگرمیوں' پر ہے۔ غور کیجیے تو یہ دونوں رویے ہمارے مفادات اور تعصبات سے آلودہ ہیں۔ ہم عام لوگوں سے تو کسی نے نہیں پوچھا؛ نہ ریکارڈ کرنے والے نے، نہ 'سرگرم' نے۔ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ ہم جو رائے اپنائیں گے، کیا ہم داخلی طور پر اس سے مطمئن ہیں؟

(بشکریہ: روزنامہ دنیا، لاہور، ۲۹/ دسمبر ۲۰۲۲ء)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

Trusted Name for Last 65 years

Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky
Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets

Since 1949

Snowhite
DRYCLEANERS
Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!

TQCSI
Quality Certified
ISO 9001 : 2000

Brands of the year Award
IT'S ALL ABOUT CHAMPIONS
2011-2012

Web: www.snowhite.com.pk

Tel: 021-38682810